MUD-008

کلاسیکی اردو شاعری

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی
اسکول آف ہیومنٹیز

بلاک

7

اُردو رُباعی

بلاک 7 کا تعارف

اکائی 26
رُباعی: تعریف، فن، ہیئت اور روایت 135

اکائی 27
اردو رُباعی کا آغاز وارتقا 157

اکائی 28
محمد مومن خاں مومنؔ: حیات اور رُباعی نگاری 185

اکائی 29
میر ببر علی انیسؔ کی رُباعی نگاری 201

بلاک 7 تعارف

بلاک 7 'اُردو رباعی' سے متعلق ہے جس میں چھبیس سے انتیس تک کل ۴ اکائیاں شامل ہیں۔

چھبیسویں اکائی کا عنوان (**رُباعی: تعریف، فن، ہیئت اور روایت**) ہے۔ اس میں رُباعی کی لغوی و اصطلاحی تعریف، اس کے فن، اس کی صنفی خصوصیات، اس کی انفرادیت، رُباعی اور قطعہ کے مابین فرق، رُباعی میں بیان ہونے والے موضوعات، اس کی روایت اور نمائندہ رُباعی گو شعرا، ان تمام پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔

ستائیسویں اکائی بعنوان (**اُردو رُباعی کا آغاز وارتقا**) ہے۔ اس میں رُباعی کے پس منظر اور اس کے آغاز وارتقا سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس اکائی میں دکن اور شمالی ہند کے نمائندہ رُباعی گو شعرا کی رُباعی نگاری کی خصوصیات و امتیازات اور اس کی انفرادیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

اٹھائیسویں اکائی کا عنوان (**محمد مومن خاں مومنؔ: حیات اور رباعی نگاری**) ہے۔ اس میں مومن خاں مومنؔ کے حالاتِ زندگی کو بیان کیا گیا ہے اور ان کی رُباعی نگاری پر مدلل گفتگو کرتے ہوئے ان کی رُباعیوں کے موضوعات، مزاج، آہنگ اور اس کی منفرد خصوصیات و امتیازات سے بحث کی گئی ہے۔

انتیسویں اکائی (**میر ببر علی انیسؔ کی رباعی نگاری**) کے عنوان سے ہے۔ اس میں میر ببر علی انیسؔ کی رُباعی نگاری سے مدلل بحث کرتے ہوئے ان کی رُباعیوں کے فکری وفنی محاسن، خصوصیات و امتیازات اور اس کی انفرادیت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اُردو رُباعی نگاری میں ان کے مقام و مرتبے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY

اکائی 26 رُباعی: تعریف، فن، ہیئت اور روایت

ساخت

26.1 اغراض و مقاصد

26.2 تمہید

26.3 رُباعی: تعریف، فن، ہیئت اور روایت

26.3.1 رُباعی کا فن اور اس کی صنفی خصوصیات

26.3.2 رُباعی کے موضوعات

26.3.3 رُباعی نگاری کی روایت

26.3.4 ماحصل

26.4 آپ نے کیا سیکھا؟

26.5 اپنا امتحان خود لیجیے

26.6 سوالوں کے جوابات

26.7 فرہنگ

26.8 کتب برائے مطالعہ

26.1 اغراض و مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ:

- رُباعی کی لغوی اور اصطلاحی تعریف سے واقف ہوں گے۔
- رُباعی کے فن اور اس کی صنفی خصوصیات سے بحث کریں گے۔
- رُباعی کی انفرادیت اور رُباعی اور قطعہ کے مابین فرق کو سمجھیں گے۔
- رُباعی میں بیان ہونے والے موضوعات سے آگاہ ہوں گے۔
- رُباعی نگاری کی روایت اور نمائندہ رُباعی گو شعرا سے واقفیت حاصل کریں گے۔

26.2 تمہید

عزیز طلبا! گذشتہ اکائیوں میں آپ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے سوانحی احوال وکوائف سے واقف ہوئے۔ آپ نے مذکورہ شعرا کی مرثیہ نگاری کی منفرد خصوصیات و امتیازات سے بھی واقفیت حاصل کی اور ان کی مرثیہ نگاری کے تقابلی مطالعے کے ذریعے اُردو مرثیہ نگاری میں ان کے مقام ومرتبے کو بھی سمجھا۔ اب ساتویں بلاک کی اس پہلی اکائی میں آپ رُباعی کے فن اور اس کی صنفی خصوصیات سے واقف ہوں گے، رُباعی کی انفرادیت، رُباعی اور قطعہ کے مابین فرق کو سمجھیں گے اور رُباعی میں بیان ہونے والے موضوعات، اس کی روایت اور نمائندہ رُباعی گو شعرا سے واقفیت حاصل کریں گے۔

26.3 رُباعی: تعریف، فن، ہیئت اور روایت

26.3.1 رُباعی کا فن اور اس کی صنفی خصوصیات

’رُباعی‘ عربی لفظ ہے۔ ’رُبع‘ کے لغوی معنی چار کے ہیں۔ اصطلاح میں ’رُباعی‘ اس صنف سخن کو کہتے ہیں جو چار مصرعوں پر مبنی ہو اور فکر وخیال کے لحاظ سے مکمل ہو۔ اسے دوبیتی اور ترانہ بھی کہا جاتا تھا مگر بعد میں عربی لفظ ’رُبع‘ بہ معنی چار کی رعایت سے چار مصرعوں پر مشتمل مختصر نظم کو رُباعی کا نام دیا گیا۔ رُباعی اس لحاظ سے واحد صنف سخن ہے کہ اس کے لیے صرف بحر ہزج متعین ہے۔ اس بحر کے مقررہ چوبیس اوزان میں سے کسی ایک وزن میں رُباعی کے چاروں مصرعوں کا ڈھلنا لازمی ہے۔ اس کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ تیسرے مصرعے کے لیے قافیے کی شرط نہیں ہے۔ ان ہی چار مصرعوں میں کوئی خیال مربوط انداز سے پیش کیا جاتا ہے۔ رُباعی عام طور پر فلسفیانہ، اخلاقی، تفکیری اور کبھی کبھی عشقیہ مضامین پر مبنی ہوتی ہے۔ ذیل میں چند رُباعیاں ملاحظہ کیجیے:

میں نار ہوں اس شہر تلک جائے بن
چنچل سکی کا چک درس پائے بن
اس جیو دوانے کوں کیوں ہوئے قرار
اُس نار کو اس ٹھار لے کر آئے بن
(ملا وجہی)

دل جام حقیقت ستی جوں مست ہوا
ہر مست مجازی سوں زبردست ہوا

یہ باغ دسا نظر میں تنکے سوں بھی کم
اور عرش عظیم پگ تلے پست ہوا
(ولؔی دکنی)

پھر چہرے ہوئے سرخ سیہ کاروں کے
نوروز ہے دن پھرے گنہگاروں کے
بے وجہ نہیں کہ ابر رحمت ہے سیاہ
دھوئے گئے ہیں گناہ مے خواروں کے

(مومنؔ)

رُباعی ایک مشکل اور نازک مگر شگفتہ اور مترنم صنف شاعری ہے۔ اس کے چاروں مصرعوں میں شاعر اپنے تخلیقی شعور کا بھرپور مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ لفظوں کے انتخاب اور استعمال پر خاص توجہ دیتا ہے تا کہ کوئی مضمون یا خیال پوری ہنرمندی، چابک دستی اور برجستگی کے ساتھ بحر اور وزن کے متعینہ سانچے میں سما جائے۔ غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ میں کئی اشعار ہوتے ہیں۔ ان میں دو ایک شعر ڈھیلے ڈھالے یا بھرتی کے ہوں تو اس کی وجہ سے مذکورہ صنفوں کی مجموعی ساخت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے کیوں کہ اچھے اشعار پوری ساخت کے مجموعی تاثر کو برقرار رکھنے میں مدد و معاون ہوتے ہیں۔ ان شعری اصناف کے مقابلے میں رُباعی نہایت مختصر صنف سخن ہے۔ اس میں چار مصرعوں سے ایک مسرت آمیز اور اثر انگیز ہیئتی و معنوی اکائی وضع کی جاتی ہے۔ ہر مصرع اس اکائی کا اٹوٹ حصہ ہوتا ہے اور خیال کے تسلسل اور ارتقا میں مدد کرتا ہے۔ چوتھا مصرع اتنا چُست، رواں اور مستحکم ہوتا ہے کہ اس میں پہلے تین مصرعوں کے ارتقا پذیر خیال کی تکمیل اور نتیجہ خیزی ہوتی ہے۔ اکثر بہترین رُباعیوں میں چوتھا مصرع بڑا بامعنی اور جامع ہوتا ہے۔ بہ طور مثال ایک رُباعی ملاحظہ ہو:

واللہ یہ زندگی بھی ہے قابلِ دید
اک طرفہ طلسم دید جس کی نہ شنید
منزل کی دھن میں جھومتا جاتا ہوں
پیچھے تو اجل ہے آگے آگے امید
(یگانؔہ چنگیزی)

آپ نے دیکھا کہ یگانؔہ چنگیزی نے کس طرح اپنی رُباعی کے پہلے تین مصرعوں میں زندگی کی رنگینیوں اور مسرت آمیز مرحلوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جب کہ آخری مصرعے میں بڑے دل کش انداز میں حیات کے انجام یعنی ممات کا ذکر کیا ہے جسے عموماً انسان بھولا رہتا ہے۔ حالاں کہ یہ زندگی کے پیچھے پیچھے چلتی رہتی ہے۔ اس رُباعی کے پہلے تین مصرعوں کے تمہیدی بیان کا اختتامی نتیجہ (Concluding note) آخری مصرعے میں سامنے

آیا ہے۔اسی طرح کی ایک رُباعی امجؔد حیدرآبادی کی ہے۔ملاحظہ ہو:

صورت اپنی ہے اور نہ سیرت اپنی
مانگی ہوئی ہے کسی سے فطرت اپنی
لاحول ولاقوۃ سے ثابت ہے
کوئی حرکت اپنی نہ قوت اپنی

اس رُباعی کے پہلے دومصرعوں میں انسان کی صورت، سیرت اور فطرت کے مستعار ہونے کا تذکرہ ہے۔ پھر کلامِ ربانی کے ٹکڑے 'لاحول ولاقوۃ' سے یہ نکتہ اخذ کیا گیا ہے کہ انسان کو اپنی حرکت اور قوت پر اختیار نہیں ہے یعنی ساری قوت اور طاقت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جسے شاعر نے آخری دومصرعوں میں بیان کیا ہے۔ یہاں شاعر نے آخر کے ایک مصرعے کے بجائے آخری دومصرعوں کے ذریعے اپنی بات مکمل کی ہے۔ رُباعی سے ملتی جلتی ایک صنف قطعہ ہے مگر قطعہ کے لیے لازمی نہیں کہ اس کے پہلے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس میں دو سے زیادہ اشعار بھی ہوسکتے ہیں۔ رُباعی کی طرح قطعہ صرف چار مصرعوں تک محدود نہیں ہے۔ تیسرا فرق بحر و وزن کا ہے۔ رُباعی کے لیے بحر و وزن کی قید ہے جب کہ قطعہ کسی بھی بحر میں کہا جاسکتا ہے۔ چوتھے یہ کہ رُباعی کے مصرعے الگ الگ متعینہ وزن میں ہوسکتے ہیں مگر قطعہ کے سب مصرعے ایک ہی وزن میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ رُباعی منفرد صنفی خصوصیات کی حامل ہے۔

رُباعی کی ہیئت، بحر اور اس کے اوزان:

رُباعی کی ساخت میں خارجی اور داخلی دو سطحیں ہوتی ہیں۔ خارجی سطح مصرعوں اور قافیہ وردیف پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ رُباعی چار مصرعوں کی ایسی مختصر نظم ہے جس میں عموماً پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ مثال دیکھیے:

خود کو گم کردہ راہ کرکے چھوڑا
حوا کو بھی تباہ کرکے چھوڑا
کیا کیا نہ کیے خدا نے جنت میں جتن
آدم نے مگر گناہ کرکے چھوڑا

(جوؔش ملیح آبادی)

اس رُباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعوں میں بالترتیب 'راہ'، 'تباہ' اور 'گناہ' قافیہ کے الفاظ ہیں جب کہ تینوں مصرعوں میں 'کرکے چھوڑا' بہ طور ردیف استعمال ہوا ہے۔ تیسرے مصرعے میں قافیہ یا ردیف نہیں ہے۔ ایسی رُباعی کو اصطلاح میں 'خصی' کہتے ہیں۔ کئی شاعروں نے ایسی رُباعیاں بھی کہی ہیں جن کے چاروں مصرعے

ہم قافیہ اور ہم ردیف ہیں۔ میرؔ کی درج ذیل رباعی اسی نوع کی ہے:

ہجراں میں کیا سب نے کنارا آخر
اسباب گیا جینے کا سارا آخر
نے تاب رہی نہ صبر و یارا آخر
آخر کو ہوا کام ہمارا آخر

اس رُباعی میں 'کنارا'، 'سارا'، 'یارا' اور 'ہمارا' قافیے کے الفاظ ہیں۔ جب کہ ہر مصرع کا اختتامیہ لفظ 'آخر' ردیف ہے جس سے یہ رُباعی کلی طور پر مقفیٰ اور مردف ہوگئی ہے۔ اصطلاح میں ایسی رُباعی 'غیر خصی' کہلاتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ رُباعی کے لیے تین مصرعوں کا ہم قافیہ ہونا لازمی ہے۔ کبھی کبھی چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ یعنی قافیہ اس کی ایک ہیئتی خصوصیت ہے لیکن ردیف اس کی ہیئتی خصوصیت نہیں ہے۔ ردیف ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ہوسکتی ہے۔ اس کے نہیں ہونے سے رُباعی کی صنفی شناخت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر غالبؔ کی یہ رُباعی دیکھیے:

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخنوران کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل و گر نگویم مشکل

آپ نے دیکھا کہ اس رُباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعوں میں بالترتیب 'دل'، 'کامل' اور 'مشکل' بہ طور قافیہ استعمال ہوئے ہیں۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ قافیہ کے لفظ پر مصرع ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ردیف کا کوئی لفظ بالتکرار تینوں مصرعوں میں نہیں ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ رُباعی میں ردیف نہیں ہے۔ ایسی رُباعی کو 'غیر مردف خصی' کہا جائے گا۔ صنف رُباعی میں اس کی مخصوص بحر اور متعینہ اوزان کی اساسی اہمیت ہے۔ ان کے ذریعے رُباعی کی شناخت بھی ہوتی ہے اور اسے دوسری اصناف سے ممیّز بھی کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مخصوص بحر اور متعینہ اوزان سے رُباعی کی ایک منفرد داخلی ہیئت بنتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ رُباعی صرف بحر ہزج میں کہی جاتی ہے جس کا مثمن سالم میں بنیادی وزن یہ ہے:

مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن

مگر رُباعی مثمن سالم میں نہیں کہی جاتی ہے۔ اس میں سب یا زیادہ تر غیر سالم یا مزاحف ارکان استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ رُباعی کے لیے صرف ایک وزن 'لاحول و لا قوۃ الّا باللّٰہ' مقرر نہیں ہے۔ یہ رُباعی کے متعینہ چوبیس اوزان میں سے ایک وزن 'مفعول، مفاعیل، مفاعیلن، فع' ہے۔ درج ذیل

رُباعی میں اس وزن کا استعمال دیکھیے :

لفظوں سے فقط کھیلنا ہے شوق تباہ
ہے شرعِ ادب میں یہ حقیقت میں گناہ
بے بات کے میں بات نکالوں منہ سے
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

(سید وحید اشرؔف)

اس رُباعی کے پہلے دو مصرعوں کا وزن ،مفعول، مفاعیل، مفاعیل،فعول، ہے اور آخری دو مصرعوں میں 'مفعول، مفاعیل، مفاعیلن ، فع' کا وزن ہے۔ رُباعی کے لیے بحرِ ہزج کے بنیادی رکن 'مفاعیلن' کے نو زحافات ہیں جنھیں اصطلاح میں خرم، خرب، کف، قبض، ہتم ، جب ، بتر، شتر اور زل کہتے ہیں ۔ بنیادی رُکن مفاعیلن میں حرف یا حروف گرانے کے بعد ان زحافات کے نام اور رُکن کی صورت اس طرح ہوتی ہے:

(۱)اخرم۔مفعولن (۲)اخرب۔مفعول (۳)مکفوف۔مفاعیل (۴)مقبوض۔مفاعیلن (۵)اہتم۔فعول(۶) مجبوب۔فعل(۷)ابتر۔فع (۸)اشتر۔فاعلن (۹)ازل۔فاع۔

بنیادی رُکن اور مذکورہ بالا نو زحافات کی مختلف ترتیب سے رُباعی کے چوبیس اوزان بنائے گئے ہیں تاہم اس کے ساتھ یہ تین اصول بھی اپنائے جاتے ہیں:

(الف) ہر مصرع کا صدر/ ابتدا یعنی پہلا رکن 'اخرم' یا 'اخرب' ہو۔

'اخرم' میں بحرِ ہزج کے سالم رکن 'مفاعیلن' سے پہلے حرف یعنی 'م' کو حذف کر دیا جاتا ہے تو وہ 'فاعیلن' ہو جاتا ہے اور 'فاعیلن' وزن میں 'مفعولن' کے برابر ہے۔ اس لیے اسے 'مفعولن' لکھا جاتا ہے۔

'اخرب' میں 'اخرم' یعنی 'فاعیلن' کے آخری حرف یعنی 'ن' کو گرا دیا جاتا ہے تو وہ 'فاعیل' بن جاتا ہے۔ 'فاعیل' وزن میں 'مفعول' کے برابر ہے۔ لہٰذا اسے 'مفعول' لکھا جاتا ہے۔

(ب) ارکان کی ترتیب میں 'سبب' (دو حرفی کلمہ) کے بعد 'سبب' اور 'وتد' (سہ حرفی کلمہ) کے بعد 'وتد' آئے۔

(ج) ارکان کی ترتیب میں چار متحرک حروف ایک ساتھ استعمال نہ ہوں۔

ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے ماہرین عروضیات نے بحر ہزج میں 'اخرم' سے بارہ اور 'اخرب' سے بارہ اوزان کا استخراج کیا ہے۔ 'اخرم' کے بارہ اوزان کے ہر وزن کا پہلا رُکن 'مفعولن' ہوتا ہے۔ نیچے اس کا شجرہ یا جدول یا چارٹ درج ہے:

شمار نمبر	صدر/ابتدا	حشو اول	حشو دوم	ضرب
۱	مفعولن	مفعولن	مفعولن	فاع
۲	مفعولن	مفعولن	مفعولن	فع
۳	مفعولن	مفعولن	مفعول	فعول
۴	مفعولن	مفعولن	مفعول	فعل
۵	مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فاع
۶	مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فع
۷	مفعولن	فاعلن	مفاعیل	فعول
۸	مفعولن	فاعلن	مفاعیل	فعل
۹	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فاع
۱۰	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فع
۱۱	مفعولن	مفعول	مفاعیل	مفعول
۱۲	مفعولن	مفعول	مفاعیل	فعل

اسی طرح بحر ہزج ہی میں 'اخرب' سے دوسرے بارہ اوزان نکالے گئے ہیں۔ ان سب کا پہلا رُکن 'مفعول' ہے۔

نیچے درج بارہ اوزان پر نظر ڈالیے۔ آسانی سے سمجھ میں آجائے گا:

شمار نمبر	صدر/ابتدا	حشو اول	حشو دوم	ضرب
۱	مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فاع
۲	مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فع
۳	مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعول
۴	مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعل
۵	مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فاع
۶	مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فع
۷	مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فعول
۸	مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فعل
۹	مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فاع
۱۰	مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فع
۱۱	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعول
۱۲	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعل

ان چوبیس اوزان میں 'اخرم' اور 'اخرب' دونوں کے کئی اوزان سبک، رواں اور شگفتہ ہیں اور کئی بوجھل اور ثقیل ہیں۔ مولوی نجم الغنی رام پوری نے اپنی کتاب 'بحر الفصاحت' میں سبک ترین اور ثقیل ترین اوزان کی نشان دہی اس طرح کی ہے:

'اخرم' کے سبک ترین اوزان ______ مفعولن فاعلن مفاعیل فعول

اس کے ثقیل ترین اوزان ______ مفعولن مفعولن مفعولن فع

'اخرب' کے سبک ترین اوزان ______ مفعول مفاعلن مفاعیل فعل

اس کے ثقیل ترین اوزان ______ مفعول مفاعیلن مفعولن فع

اس ضمن میں مزید تین باتیں یاد رکھنے کی ہیں:

(الف) 'اخرم' اور 'اخرب' سے نکلنے والے پہلے رُکن کی ابتدا ہمیشہ 'سبب' سے ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کسی رُباعی نما تخلیق کی ابتدا 'وتد' سے ہوتی ہے تو اسے رُباعی نہیں کہا جا سکتا ہے۔

(ب) رُباعی کے ہر مصرعے میں قابل شمار حروف کی تعداد بیس ہونی چاہیے۔ ہر چند بہت سے شاعر اس پر کاربند نہیں ہوتے ہیں۔

(ج) چار متحرک حروف ایک ساتھ نہ آئیں۔

شاعر کو پوری آزادی ہے کہ وہ متذکرہ چوبیس اوزان میں سے ایک سے زائد اوزان کا استعمال کسی ایک رُباعی میں کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل رُباعی دیکھیے:

صحرا میں جو پایا ایک چٹیل میداں
برسات میں سبزے کا نہ تھا جس پہ نشاں
مایوس تھے جس کے جوتنے سے دہقاں
یاد آئی ہمیں قوم کے ادبار کی شاں

(میر انیسؔ)

اس رُباعی کے پہلے اور تیسرے مصرعوں میں 'مفعول'، 'مفاعلن'، 'مفاعلین'، 'فع' کا استعمال ہوا ہے جب کہ دوسرے اور چوتھے مصرعوں کا وزن ____ 'مفعول'، 'مفاعیل'، 'مفاعیل'، 'فعل' ہے۔ یعنی رُباعی میں دو اوزان سے کام لیا گیا ہے۔ اس کی تقطیع سے بہ آسانی سمجھ میں آجائے گا:

مصرع (۱) صحرام جُ پا ی اے ک چٹ یل مے دا
مفعول مفاعلن مفاعیلن فع

مصرع (۲)　برسات　م سب زے ک　ن تھا جس پہ　نشا
مفعول　مفاعیل　مفاعیل　فعل

مصرع (۳)　مایوس　تھ جس ک جو　ت نے سے دہ　قا
مفعول　مفاعلن　مفاعیلن　فع

مصرع (۴)　یادای　ہے قوم　ک ادبار　ک شا
مفعول　مفاعیل　مفاعیل　فعل

اس رُباعی کے مصرعوں میں استعمال ہونے والے اوزان اوران کے شجرے نیچے درج کیے جاتے ہیں:

(۱) اور (۳) مفعول، مفاعلن، مفاعیلن، فع (اخرب)

(۲) اور (۴) مفعول، مفاعیل، مفاعیل، فعل (اخرب)

اب ایک دوسری رُباعی دیکھیے جس کے چاروں مصرعے الگ الگ وزن میں ہیں:

ہے موج صبا سے بڑھ کر کیا زنجیر
سناٹا خود طوفانوں کی تفسیر
سیلاب کناروں کو کھا جاتا ہے
چلتی ہے چٹانوں پہ ہوا کی شمشیر

(شمس الرحمٰن فاروقی)

اب اس کی تقطیع دیکھیے:

مصرع (۱)　ہے موجِ　صبا سے بڑ　کر کا زن　جیر
مفعول　مفاعیلن　مفعولن　فاع

مصرع (۲)　سناٹا　خد طوفا　نو کی تف　سیر
مفعولن　مفعولن　مفعولن　فاع

مصرع (۳)　سیلاب　کنارو کو　کھا جاتا　ہے
مفعول　مفاعیلن　مفعولن　فع

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

مصرع(۴) چلتی ہ چٹا نو پہ ہوا کی شم شیر

مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع

یعنی مذکورہ بالا رُباعی کے اوزان اور شجرہ اس طرح ہیں:

(۱) مفعول، مفاعیلن، مفعولن، فاع (اخرب)

(۲) مفعولن، مفعولن، مفعولن، فاع (اخرم)

(۳) مفعول، مفاعیلن، مفعولن، فع (اخرب)

(۴) مفعول، مفاعیل، مفاعیلن، فاع (اخرب)

ان مثالوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رُباعی کے لیے بحر ہزج کے جو چوبیس اوزان مقرر ہیں، ان کے استعمال کے مختلف طریقے اور انداز ہیں۔ نیز کئی طرح کی پابندیاں اور اصول وضوابط ہیں۔ اس لحاظ سے رُباعی کی داخلی ہیئت پے چیدہ اور گنجلک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رُباعی کو مشکل اور نازک صنف سخن کہا جاتا ہے۔

26.3.2 رُباعی کے موضوعات

رُباعی ایک ایسی صنف ہے جس کے لیے کوئی موضوع یا مضمون متعین نہیں ہے۔ اس کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کلاسیکی عہد تک رُباعی بالعموم موضوعاتی اعتبار سے مذہبی، اخلاقی، عشقیہ (حقیقی ومجازی) اور فلسفیانہ خیالات تک محدود تھی مگر زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی آئی اور صنفِ غزل ہی کے نہج پر رُباعی کے موضوعات کا دامن پھیلتا گیا۔ ہر طرح کے ذاتی، معاشی، سماجی، سیاسی اور سائنسی مضامین اور مسائل اس میں داخل ہوتے گئے۔ انسان کی بے چہرگی، قدروں کی پامالی، تنگ دستی، تنہائی، والدین کی ناقدری، استحصال اور نسائیت کے پہلوؤں پر بھی رُباعیاں لکھی گئیں۔ یہاں ایک اہم بات ذہن نشیں رہے کہ رُباعی نگاری کے لیے کوئی خاص اسلوب نہیں ہے۔ مذہبی، اخلاقی اور عشقیہ مضامین کی ترجمانی میں جو الفاظ، تلازمات، تراکیب، مصطلحات اور دیگر عناصر بلاغت استعمال ہوتے ہیں، وہ سب غزلیہ اسلوب کے اٹوٹ انگ ہیں۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ موضوعاتی اور اسلوبیاتی سطح پر رُباعی کہیں کہیں غزل سے بہت قریب ہوگئی ہے مگر غیر مذہبی اور غیر عشقیہ مضمون بندی میں رُباعی ایک الگ طرزِ اظہار کی حامل ہے۔ رُباعیوں میں مختلف موضوعات واسلوب کا مشاہدہ کرنے کے لیے بہ طور مثال ذیل میں مختلف نوعیت کی چند رُباعیاں ملاحظہ ہوں:

(حمدیہ)

جب سے توحید کا سبق پڑھتا ہوں
ہر حرف میں کتنے ہی ورق پڑھتا ہوں

اس علم کی انتہا سمجھنا آگے
اے دردؔ! ابھی تو نام حق پڑھتا ہوں

(خواجہ میر دردؔ)

(عشقیہ)

ہم دل سے جو چاہتے ہیں، اے جان تمھیں
بے کل ہوں اگر نہ دیکھیں، اک آن تمھیں
تم پاس بٹھاؤ، تو ذرا بیٹھیں ہم
مشکل ہے ہمیں اور ہے آسان تمھیں

(نظیرؔ اکبرآبادی)

(وہمیہ)

آسیب جہالت کہ شریفوں میں ہے عام
بگڑی ہوئی ہے شکل بھی اس سے تمام
کم رکھتے شگون و مال سے گر سروکار
اس باغِ جہاں میں یوں نہ ہوتے بدنام

(سید عبدالغفور شہبازؔ)

(نسائیت)

عورت نہ کسی سے بھی یہاں کم ہوتی
شعلوں میں گندھی ہوئی وہ شبنم ہوتی
مردوں کے معاشرے نے بڑھنے نہ دیا
ورنہ یہی حکمرانِ عالم ہوتی

(قتیلؔ شفائی)

(جدید تعلیم)

سائنس نے جب مورد تعظیم کیا
یہ دور ترقی کا ہے تسلیم کیا

تعلیم میں اخلاق کی قدریں ضم تھیں
افسوس کہ تم نے اسے دو نیم کیا

(طلحہ رضوی برقؔ)

ان رُباعیوں میں الفاظ کے انتخاب اور طرزِ اظہار میں موضوع ومضمون کا خاص عمل دخل ہے۔ایک طرف ان رُباعیوں سے یہ عیاں ہورہا ہے کہ رُباعی کا موضوعاتی اُفق کافی پھیلا ہوا ہے۔اس میں زندگی اور سماج کے گوناگوں رنگ وآہنگ سمٹ آئے ہیں۔دوسری طرف یہ بھی واضح ہورہا ہے کہ جس طور پر پہلے فارسی کے مشہور رُباعی گو عمر خیامؔ اور سرمدؔ کی تقلید ہوتی تھی اور رندی وسرمستی کے پردے میں اخلاقی وفلسفیانہ مضامین پیش کیے جاتے تھے،اب اس اندازِ بیان سے انحراف کیا جارہا ہے۔مضمون کی نوعیت اور اس کے تقاضے کے لحاظ سے زبان وبیان کا سانچہ بنایا جارہا ہے۔

26.3.3 رُباعی نگاری کی روایت

اُردو میں رُباعی نگاری کا رجحان فارسی کے زیرِ اثر پیدا ہوا۔اس کی ایجاد کے سلسلے میں کئی روایتیں ہیں۔ایک مشہور روایت یہ ہے کہ سربرآوردہ فارسی شاعر ابوالحسن رودگیؔ خوش گوار موسم میں باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور نزدیک ہی چند بچے جوز اندازی کے کھیل میں مشغول تھے۔ایک بچے نے چند جوز (اخروٹ) ڈھلان پر ڈال دیے اور ان کے لڑھکنے کی آواز سن کر بچے کے منہ سے بے ساختہ یہ کلمات نکلے——'غلطاں غلطاں ہمی رود تا سرگو'(فعلن، فعلن،مفاعلن،مفعولن)۔یہ کلمہ موزوں رودگیؔ کو اتنا پسند آیا کہ انھوں نے تین مصرعے اور لگائے جس سے دو شعر پر مشتمل صنفِ رُباعی وجود میں آئی۔بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ افسانہ طرازی ہے۔رُباعی ایران کی قدیم صنف 'ترانہ' کی ترمیم کی ہوئی ہیئت ہے۔اس لیے رُباعی کی ایجاد کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا مگر اتنی بات مانی ہوئی ہے کہ رُباعی اپنی اصل کے اعتبار سے ایک فارسی صنف سخن ہے۔اس کے موضوعات ومضامین بھی شروعاتی دور میں فارسی سے مستعار لیے گئے اور اس کی صنفی وہیئتی خصوصیات پر بھی فارسی کا اثر ہے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ اُردو شاعروں نے اپنے طور پر ان میں ترمیم واضافے بھی کیے۔مورخین ادب کے مطابق محمد قلی قطب شاہ (۱۵۵۶-۱۶۱۲ء) سے پہلے فیروزؔ، محمودؔ اور ملا خیالیؔ جیسے استادفن موجود تھے جن کی عظمت کا اعتراف ملا وجہیؔ اور ابن نشاطیؔ نے کیا ہے۔محققین کا قیاس ہے کہ ان شاعروں نے رُباعیاں بھی کہی ہوں گی مگر ان کا کلام دستیاب نہیں ہے۔اس لیے محمد قلی قطب شاہ اُردو کے پہلے رُباعی نگار مانے جاتے ہیں کیوں کہ ان کے کلیات میں کئی رُباعیاں موجود ہیں۔نمونے کے طور پر نیچے ان کی ایک رُباعی نقل کی جاتی ہے:

اے باد مری بات اوسے چوری سوں کہہ
میری سو گپت بات توں اس چھوری سوں کہہ
پھُل جائے نمن و وبات اس گوری سوں کہہ
سمجھا کہہ توں، نکو سرزوری سوں کہہ

دکن میں محمد قلی قطب شاہ کے علاوہ ملا وجہیؔ، غواصیؔ، ابن نشاطیؔ، نصرتیؔ، ولیؔ اور سراجؔ وغیرہ شعرا نے بھی رُباعی نگاری سے اپنی دل چسپی کا اظہار کیا ہے۔ اس دور میں رُباعی کے موضوع اور اسلوب میں ارتقا ہوا ہے۔ ولیؔ کی درج ذیل رُباعی کے موضوع اور زبان و بیان پر غور کیجیے تو حقیقت واضح ہو جائے گی:

مے خانہ جگ کا جس نے سر جوش کیا
اس ہات سوں عالم نے قدح نوش کیا
اس سید عالم کوں جو دیکھا یک بار
یک بارگی عالم کوں فراموش کیا

دبستان دلّی کے معروف کلاسیکی شعرا حاتمؔ، میرؔ، سوداؔ، دردؔ، مصحفیؔ، غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ اور حالیؔ وغیرہ نے موضوعاتی اور اسلوبیاتی سطح پر رُباعی میں مزید گنجائش نکالی۔ انھوں نے مذہبی، صوفیانہ، اخلاقی اور عشقیہ معاملات اور مسائل کے ساتھ شخصی جذبات اور سماجی حقائق بھی رُباعیوں میں پیش کیے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

منہ پھیرے ہے گو دیکھ کے ہم کو عالم
قدر اس سے کچھ اپنی نہیں ہوتی ہے کم
اتنا ہے بڑا ہم کو کیا خالق نے
خلقت کی نظر میں نہیں آسکتے ہم

(سوداؔ)

جب تک تھے گرہ میں احمقوں کے پیسے
سب کہتے تھے ان کو آپ ایسے ایسے
مفلس جو ہوئے تو پھر کسی نے اے ذوقؔ
پوچھا نہ کہ تھے کون وہ ایسے تیسے

(ذوقؔ)

مصروف جو یوں وظیفہ خوانی میں ہیں آپ
خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ

بولیں کچھ منھ سے، یا نہ بولیں حضرت
معلوم ہے ہم کو جتنے پانی میں ہیں آپ

(حالؔی)

لکھنؤ میں میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے بھی مختلف موضوعات پر عمدہ رُباعیاں لکھی ہیں۔ رثائی موضوع کے علاوہ بے ثباتیِ عالم اور آخرت کا بیان ان کے یہاں بڑے بے ساختہ اور منجھے ہوئے لہجے میں ملتا ہے۔ نمونے کے طور پر درج ذیل رُباعیاں دیکھیے:

کس خواب تغافل میں یہاں سوتا ہے
کیوں مفت متاع زندگی کھوتا ہے
لو حق سے لگا کہ صبح پیری آئی
ہشیار چراغِ عمر گل ہوتا ہے

(دبیرؔ)

جب بیبیوں سے وداع ہوتے تھے حسین
تقریر سے سب کے ہوش کھوتے تھے حسین
سب کو تو تسلی دیتے جاتے تھے مگر
زینب کی طرف دیکھ کے روتے تھے حسین

(انیسؔ)

۱۹ویں صدی کے آخر سے رُباعی نگاری کی مقبولیت بے حد بڑھی۔ پچھلے سوسوا سو برسوں میں ہر مکتبۂ فکر کے شعرا نے رُباعیاں کہی ہیں۔ جگت موہن لال رواںؔ، شادؔ عظیم آبادی، اکبرؔ الہ آبادی، سیمابؔ اکبرآبادی، فانیؔ، یگانہؔ، محرومؔ، قتیلؔ داناپوری، فراقؔ، جوشؔ ملیح آبادی، جاں نثار اخترؔ، قتیلؔ شفائی، جمیلؔ مظہری، پرویزؔ شاہدی، اخترؔ شیرانی، امجدؔ حیدرآبادی، ناوکؔ حمزہ پوری، علقمہ شبلیؔ، سید وحید اشرفؔ، طلحہ رضوی برقؔ، کرامت علی کرامتؔ، رفعت سروشؔ، مظفر حنفی، عبدالعزیز خالدؔ، اصغر ویلوری، جمال اویسی، عاصم شہنواز شبلی، التفات امجدیؔ، عادل اسیرؔ اور ابراہیم اشکؔ جیسے قابل قدر رُباعی گو شعرا کی لمبی قطار ہے جس کے ذریعے اُردو رُباعی نگاری کی روایت کو زبردست استحکام ملا۔ نیچے درج رُباعیوں سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ رُباعی نگاری میں کس قدر تنوع ہوا ہے اور اس کے موضوع و اسلوب کے کیسے کیسے نقوش اُبھرے ہیں:

وہ بادِ سحر کا رس میں ڈوبا ہوا راگ
چٹکی میں لیا کنول نے دریا کا سہاگ

مہکے ہوئے گال سے ہیں لپٹی زلفیں
صندل کے بن میں جیسے ماتے ہوئے ناگ

(فراقؔ گورکھپوری)

میں یہ نہیں کہتا کہ سویرا کردے
دو کام میں ایک کام میرا کردے
یا روشنی تیز کرکے کچھ دیکھ سکیں
یا اور بھی گھنگھور اندھیرا کردے

(جمیلؔ مظہری)

بلبل کی زباں تک جلا ڈالی ہے
مسموم ہوائے گل بنا ڈالی ہے
ان آگ کے تاجروں نے اے ابر بہار
گلشن میں بھی بارود بچھا ڈالی ہے

(پرویزؔ شاہدی)

یہ غمزۂ دل ربا، یہ پیغام نگاہ
یہ دعوت نظارہ، یہ تحریک گناہ
اس طرح نمائش جوانی سر راہ
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

(ناوکؔ حمزہ پوری)

اے لیل و نہار سلسلہ تیرا دراز
آنکھیں ہیں مری روزِ ازل سے ہم راز
آواز مجھے دیتے ہیں گذرے ہوئے لوگ
پھیلا ہوا صدیوں کا سفر بے انداز

(جمالؔ اویسی)

میدان ادب میں ہیں وہی اب خوش آب
جن پر لکھی جائے دو چار کتاب

پرواز نہیں، فکر نہیں، تو کیا غم
تشہیر کا ان کی بھی کہاں کوئی جواب

(عاصمؔ شہنواز شبلی)

اس اکائی میں قدیم یعنی کلاسیکی اور جدید دور کی چند رُباعیاں پیش کی گئی ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ پچھلے سوا چار سو برسوں کے دوران رُباعیوں میں روایتی موضوعات کے ساتھ ساتھ نئے موضوعات بھی عکس پذیر ہوئے ہیں۔ بدلے ہوئے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات سے انسانی اخلاق اور تہذیب پر جو اثرات مرتسم ہوئے ہیں، انسانوں کے جو فکری زاویے بدلے ہیں، ان میں مادیت کا جو دبدبہ قائم ہوا ہے اور صارفیت کا جو بھیانک رُوپ سامنے آیا ہے، ان سب کی ترجمانی رُباعیوں میں بھی ہوئی ہے۔ جہاں تک اسلوب کا تعلق ہے تو یہ شاعر کے ذاتی تخلیقی شعور پر منحصر ہے کہ وہ مضمون و مواد کو مخصوص سانچے میں ڈھالنے کے لیے زبان و بیان کی کیسی ساخت وضع کرتا ہے۔ منقولہ رُباعیاں اس امر کی مظہر ہیں کہ شاعروں نے اسلوب میں بھی تخلیقیت کا مظاہرہ کیا ہے جو تازہ کاری کا سبب بنا ہے۔ اس بنا پر اردو رُباعی نگاری کا طویل سفر نہ صرف روایت کو مضبوط و مستحکم کر رہا ہے بلکہ روایت کے نئے ابعاد اور نئے امکانات کا اشاریہ بھی بن رہا ہے۔

26.3.4 ماحصل

'رُباعی' عربی لفظ ہے۔ 'رُبع' کے لغوی معنی چار کے ہیں۔ اصطلاح میں 'رُباعی' اس صنف سخن کو کہتے ہیں جو چار مصرعوں پر مبنی ہو اور فکر و خیال کے لحاظ سے مکمل ہو۔ اس کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ تیسرے مصرعے کے لیے قافیے کی شرط نہیں ہے۔ ان ہی چار مصرعوں میں کوئی خیال مربوط انداز سے پیش کیا جاتا ہے۔ رُباعی نہایت مختصر صنف سخن ہے۔ اس میں چار مصرعوں سے ایک مسرت آمیز اور اثر انگیز ہیئتی و معنوی اکائی وضع کی جاتی ہے۔ ہر مصرع اس اکائی کا اٹوٹ حصہ ہوتا ہے اور خیال کے تسلسل اور ارتقا میں مدد کرتا ہے۔ چوتھا مصرع اتنا چُست، رواں اور مستحکم ہوتا ہے کہ اس میں پہلے تین مصرعوں کے ارتقا پذیر خیال کی تکمیل اور نتیجہ خیزی ہوتی ہے۔ اکثر بہترین رُباعیوں میں چوتھا مصرع بڑا بامعنی اور جامع ہوتا ہے کیوں کہ رُباعی کے پہلے تین مصرعوں میں کسی بات، فکر یا خیال کا ارتقا ہوتا ہے اور چوتھے مصرعے میں اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ اگر رُباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ یا ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں اور تیسرے مصرعے میں قافیہ و ردیف نہ ہو تو اصطلاح میں ایسی رُباعی کو 'خصی' کہتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر رُباعی کے چاروں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں تو اصطلاح میں ایسی رُباعی 'غیر خصی' کہلاتی ہے۔ صنفِ رُباعی میں اس کی مخصوص بحر اور متعینہ اوزان کی اساسی اہمیت ہے۔ اس کے لیے بحر ہزج کے جو چوبیس اوزان مقرر ہیں، ان کے استعمال کے مختلف طریقے اور انداز ہیں۔ نیز کئی طرح کی پابندیاں اور اصول و ضوابط ہیں۔ اس لحاظ سے رُباعی کی داخلی ہیئت پے چیدہ اور گنجلک ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ رُباعی کو مشکل اور نازک صنف سخن کہا جاتا ہے۔ موضوعات کے اعتبار سے اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کلاسیکی عہد تک رُباعی بالعموم موضوعاتی اعتبار سے مذہبی، اخلاقی، عشقیہ (حقیقی ومجازی) اور فلسفیانہ خیالات تک محدود تھی مگر زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی آئی اور صنفِ غزل ہی کی طرح رُباعی کے موضوعات کا دامن پھیلتا گیا۔ چنانچہ اس صنف میں ہر طرح کے ذاتی، معاشی، سماجی، سیاسی اور سائنسی مضامین اور مسائل داخل ہوتے گئے۔ انسان کی بے چہرگی، قدروں کی پامالی، تنگ دستی، تنہائی، والدین کی ناقدری، استحصال اور نسائیت کے پہلوؤں پر بھی رُباعیاں لکھی گئیں۔ اُردو میں محمد قلی قطب شاہ پہلے رُباعی نگار مانے جاتے ہیں۔ ان کے بعد دکن میں جن شعرا نے رُباعی نگاری میں اپنی دل چسپی کا مظاہرہ کیا، ان میں ملا وجہی، غواصی، ابن نشاطی، نصرتی، ولی اور سراج وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ دبستان دلّی کے معروف کلاسیکی شعرا حاتم، میر، سودا، درد، مصحفی، غالب، مومن اور ذوق وغیرہ نے بھی فکری وفنی اعتبار سے اُردو رُباعی کو بلندی پر پہنچایا۔ لکھنؤ میں میر انیس اور مرزا دبیر نے بھی مختلف موضوعات پر عمدہ رُباعیاں لکھیں۔ ۱۹ویں صدی کے آخر سے اُردو میں رُباعی نگاری کو اس قدر مقبولیت ملی کہ تقریباً ہر مکتبہ فکر کے شعرا نے رُباعیاں کہیں۔ حالی، جگت موہن لال رواں، شاد عظیم آبادی، اکبرالہ آبادی، سیماب اکبرآبادی، فانی، یگانہ، محروم، قتیل داناپوری، فراق، جوش ملیح آبادی، قتیل شفائی، جمیل مظہری، پرویز شاہدی، اختر شیرانی، امجد حیدرآبادی، ناوک حمزہ پوری، علقمہ شبلی، سید وحید اشرف، طلحہ رضوی برق، کرامت علی کرامت، رفعت سروش، مظفر حنفی، عبدالعزیز خالد، اصغر ویلوری، جمال اویسی، عاصم شہنواز شبلی، التفات امجدی، عادل اسیر اور ابراہیم اشک جیسے قابل قدر رُباعی گو شعرا کی لمبی قطار ہے جس کے ذریعے اُردو رُباعی نگاری کی روایت کو زبردست استحکام ملا۔ اُردو رُباعی کے مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کا طویل سفر اس کی روایت کو نہ صرف مضبوط و مستحکم کر رہا ہے بلکہ روایت کے نئے ابعاد اور نئے امکانات کو بھی وسعت دے رہا ہے۔

26.4 آپ نے کیا سیکھا؟

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے:

- رُباعی کی لغوی اور اصطلاحی تعریف سے واقفیت حاصل کی۔
- رُباعی کے فن اور اس کی صنفی خصوصیات سے بحث کی۔
- رُباعی کی انفرادیت اور رُباعی اور قطعہ کے مابین فرق کو سمجھا۔
- رُباعی میں بیان ہونے والے موضوعات سے آگہی حاصل کی۔
- رُباعی نگاری کی روایت اور نمائندہ رُباعی گو شعرا سے واقفیت حاصل کی۔

26.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ رُباعی کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بیان کیجیے۔

۲۔ خصّی اور غیر خصّی رُباعی سے کیا مراد ہے؟ مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے۔

۳۔ رُباعی کی صنفی خصوصیات سے بحث کیجیے۔

۴۔ رُباعی کے موضوعات پر مختصر روشنی ڈالیے۔

۵۔ اُردو رُباعی نگاری کی روایت پر مختصراً اظہارِ خیال کیجیے۔

26.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ 'رُباعی' عربی لفظ ہے۔ 'رُبع' کے لغوی معنی چار کے ہیں۔ اصطلاح میں 'رُباعی' اس صنف سخن کو کہتے ہیں جو چار مصرعوں پر مبنی ہو اور فکر و خیال کے لحاظ سے مکمل ہو۔ اس کے چاروں مصرعے بحر ہزج کے چوبیس اوزان کے دائرے میں ہوں۔ اس کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ تیسرے مصرعے کے لیے قافیے کی شرط نہیں ہے۔ ان ہی چار مصرعوں میں کوئی خیال مربوط انداز سے پیش کیا جاتا ہے۔

۲۔ اگر رُباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ یا ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں اور تیسرے مصرعے میں قافیہ و ردیف نہ ہو تو اصطلاح میں ایسی رُباعی کو 'خصی' کہتے ہیں۔ مثلاً:

خود کو گم کردہ راہ کر کے چھوڑا
حوا کو بھی تباہ کر کے چھوڑا
کیا کیا نہ کیے خدا نے جنت میں جتن
آدم نے مگر گناہ کر کے چھوڑا

(جوشؔ ملیح آبادی)

اس کے برعکس اگر رُباعی کے چاروں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں تو اصطلاح میں ایسی رُباعی 'غیر خصی' کہلاتی ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل رُباعی ملاحظہ ہو:

ہجراں میں کیا سب نے کنارا آخر
اسباب گیا جینے کا سارا آخر

نے تاب رہی، نہ صبر و یارا آخر
آخر کو ہوا کام ہمارا آخر

(میرؔ)

مذکورہ بالا رُباعی کے چاروں مصرعے مقفیٰ ہیں۔ 'کنارا'، 'سارا'، 'یارا' اور 'ہمارا' قافیہ کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ اس میں عام رُباعیوں کی طرح تیسرا مصرع بے قافیہ نہیں ہے۔ اس لیے اسے 'غیر خصّی' رُباعی کہا جاتا ہے۔

۳۔ رُباعی چار مصرعوں پر مشتمل ایک ایسی نظمیہ صنف ہے جس کے لیے بحر ہزج کے چوبیس اوزان متعین ہیں۔ جب کوئی مضمون یا خیال چار مصرعوں میں ڈھل جائے، اس میں قافیہ و ردیف یا صرف قافیہ موجود ہو اور اوپر لکھے ہوئے وزن و بحر میں ہو تو اسے رُباعی کہا جائے گا۔ اگر کوئی مضمون یا خیال مذکورہ چوبیس اوزان کے علاوہ کسی دوسرے وزن و بحر میں پیش ہو تو اسے ترانہ کہا جاتا ہے۔ یعنی رُباعی کی بنیادی صنفی خصوصیت اس کا وزن و بحر ہے۔ اس کے علاوہ رُباعی کے چاروں مصرعے ایک دوسرے سے گہرے طور پر جڑے ہوئے ہوتے ہیں اور رُباعی سے ملتی جلتی صنف قطعہ یا ترانہ کے مقابلے زیادہ چُست ہوتے ہیں۔ عموماً رُباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ تیسرے مصرعے میں قافیہ و ردیف نہیں ہوتا ہے۔ مصرعوں کی ترتیبی تکنیک یہ ہے کہ خیال کا ابتدائی حصہ پہلے دو مصرعوں میں اور ارتقا تیسرے مصرعے میں ہوتا ہے جب کہ آخری مصرعے میں نتیجہ خیزی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی آخری دو مصرعوں کے ذریعے نتیجۂ خیال پیش کیا جاتا ہے۔ رُباعی کے چاروں مصرعے بحر ہزج کے چوبیس اوزان میں سے کسی ایک متعینہ وزن میں ہوتے ہیں تاہم ضروری نہیں کہ چاروں مصرعے ایک ہی وزن میں ہوں۔ چاروں مصرعے الگ الگ وزن میں بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ رُباعی کی اصل صنفی خصوصیت اس کے خیال یا اسلوب سے نہیں بلکہ مصرعوں کی ترتیب اور ان کے وزن و بحر سے بننے والی داخلی ہیئت سے عیاں ہوتی ہے۔

۴۔ رُباعی کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کلاسیکی عہد تک رُباعی بالعموم موضوعاتی اعتبار سے مذہبی، اخلاقی، عشقیہ (حقیقی ومجازی) اور فلسفیانہ خیالات تک محدود تھی مگر زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی آئی اور صنفِ غزل ہی کی طرح رُباعی کے موضوعات کا دامن پھیلتا گیا۔ چنانچہ اس صنف میں ہر طرح کے ذاتی، معاشی، سماجی، سیاسی اور سائنسی مضامین اور مسائل داخل ہوتے گئے۔ انسان کی بے چہرگی، قدروں کی پامالی، تنگ دستی، تنہائی، والدین کی ناقدری، استحصال اور نسائیت کے پہلوؤں پر بھی رُباعیاں لکھی گئیں۔

۵۔ اُردو میں رُباعی کا آغاز محمد قلی قطب شاہ کی رُباعیوں سے ہوتا ہے۔ان کے بعد دکن میں جن شعرانے رُباعی نگاری میں اپنی دل چسپی کا مظاہرہ کیا،ان میں ملاوجہیؔ،غواصیؔ،ابن نشاطیؔ،نصرتیؔ،ولیؔ اور سراجؔ وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔دبستان دلّی کے معروف کلاسیکی شعراحاتمؔ،میرؔ،سوداؔ،دردؔ،مصحفیؔ،غالبؔ، مومنؔ اور ذوقؔ وغیرہ نے بھی فکری وفنی اعتبار سے اُردو رُباعی کو بلندی پر پہنچایا۔لکھنؤ میں میرانیسؔ اور مرزادبیرؔ نے بھی مختلف موضوعات پر عمدہ رُباعیاں لکھیں۔۱۹ویں صدی کے آخر سے اُردو میں رُباعی نگاری کو اس قدر مقبولیت ملی کہ تقریباً ہر مکتبہ فکر کے شعرانے رُباعیاں کہیں۔حالیؔ،جگت موہن لال رواںؔ،شادؔعظیم آبادی،اکبرؔالہ آبادی،سیمابؔ اکبرآبادی،فانیؔ،یگانہؔ،محرومؔ،قتیلؔ داناپوری،فراقؔ، جوشؔ ملیح آبادی،قتیلؔ شفائی،جمیلؔ مظہری،پرویزؔ شاہدی،اخترؔ شیرانی،امجدؔ حیدرآبادی،ناوکؔ حمزہ پوری،علقمہ شبلیؔ،سید وحید اشرفؔ،طلحہ رضوی برقؔ،کرامت علی کرامتؔ،رفعت سروشؔ،مظفرحنفیؔ، عبدالعزیز خالدؔ،اصغرویلوری،جمالؔ اویسی،عاصمؔ شہنواز شبلی،التفات امجدیؔ،عادل اسیرؔ اور ابراہیم اشکؔ جیسے قابل قدر رُباعی گوشعرا کی لمبی قطار ہے جس کے ذریعے اُردو رُباعی نگاری کی روایت کو زبردست استحکام ملا۔اُردو رُباعی کے مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کا طویل سفر اس کی روایت کو نہ صرف مضبوط و مستحکم کررہا ہے بلکہ روایت کے نئے ابعاد اور نئے امکانات کو بھی وسعت دے رہا ہے۔

26.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معانی)
صنف	:	قسم،شعر یا نثر کی تخلیقی قسم جیسے غزل،مرثیہ یا ناول،داستان
اصطلاح	:	ایسا لفظ جو لغوی معنی سے الگ کسی خاص معنی یا تصور میں استعمال ہو
ہیئت	:	ساخت،شکل،رُوپ
نار	:	آگ،آتش
چک	:	چلمن،جھٹکا
سکھ	:	سکھی،سہیلی
جیو	:	زندگی،حیات
ٹھار	:	جگہ،ٹھکانا
پگ	:	پاؤں،قدم
دسا	:	دکھا،دکھائی دیا

ہزج : شاعری کے مخصوص اوزان سے بننے والی ایک بحر، Poetic Metre

مثمن : آٹھ

سالم : پورا، مکمل

محذوف/مزاحف : حذف کیا ہوا، کم کیا ہوا، علاحدہ کیا ہوا

اِدبار : تنزل، شکست، بدنصیبی

نیم کرنا : ٹکڑے میں کرنا، علاحدہ کرنا

استخراج : نکالنا، وضع کرنا

حشو : بھرتی کا حصہ، زائد

جوز : اخروٹ

غلطاں : لڑھکتا ہوا، ڈھلکتا ہوا

مضمر : پوشیدہ، پنہاں

خس خانہ : خس کی ٹٹیوں سے گھرا ہوا مکان، خس کی ٹٹیوں سے بنا ہوا مکان

خصّی : فوطے نکالا ہوا جانور، اصطلاح میں بے ردیف مصرعے کو کہتے ہیں

26.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔ اُردو رُباعی (فنی و تاریخی ارتقا) : ڈاکٹر فرمان فتح پوری

۲۔ اُردو رُباعیات : ڈاکٹر سلام سندیلوی

۳۔ تنقیدِ رُباعی : ڈاکٹر فرید پربتی

۴۔ اُردو رُباعیات میں ہندوستانی عناصر : ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط

۵۔ رُوحِ انیسؔ : سید مسعود حسن رضوی ادیب

۶۔ اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں : شمیم احمد

اکائی 27 اُردو رُباعی کا آغاز وارتقا

ساخت

27.1 اغراض ومقاصد

27.2 تمہید

27.3 اُردو رُباعی کا آغاز وارتقا

27.3.1 رُباعی کا فن اور اس کے اولین نقوش

27.3.2 دکن میں اُردو رُباعی کا آغاز وارتقا

27.3.3 شمالی ہند میں اُردو رُباعی کا آغاز وارتقا

27.3.4 ماحصل

27.4 آپ نے کیا سیکھا؟

27.5 اپنا امتحان خود لیجیے

27.6 سوالوں کے جوابات

27.7 فرہنگ

27.8 کتب برائے مطالعہ

27.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ:

- رُباعی کے فن اور اس کے ابتدائی نقوش کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔
- دکن میں اُردو رُباعی کے آغاز وارتقا سے بحث کریں گے۔
- دکن کے نمائندہ رُباعی گو شعرا سے متعارف ہوں گے اور ان کی رُباعیوں کی خصوصیات و امتیازات کو سمجھیں گے۔
- شمالی ہند میں اُردو رُباعی کے آغاز وارتقا سے واقف ہوں گے۔
- شمالی ہند کے نمائندہ رُباعی گو شعرا سے آگاہ ہوں گے اور ان کی رُباعیوں کی خصوصیات و امتیازات کو سمجھیں گے۔

27.2 تمہید

عزیز طلبا! گذشتہ اکائی میں آپ رُباعی کے فن اور اس کی صنفی خصوصیات سے آگاہ ہوئے۔ آپ نے رُباعی کی انفرادیت، رُباعی اور قطعہ کے مابین فرق، اس میں بیان ہونے والے موضوعات اور اس کی روایت سے بھی واقفیت حاصل کی۔ اب اس اکائی میں آپ رُباعی کے ابتدائی نقوش کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے، دکن اور شمالی ہند میں اُردو رُباعی کے آغاز وارتقا سے بحث کریں گے، دکن اور شمالی ہند کے نمائندہ رُباعی گو شعرا سے واقف ہوں گے اور ان کی رُباعی گوئی کی خصوصیات وامتیازات کو سمجھیں گے۔

27.3 اُردو رُباعی کا آغاز وارتقا

27.3.1 رُباعی کا فن اور اس کے اولین نقوش

'رُباعی' عربی لفظ 'ربع' سے مشتق ہے۔ 'ربع' کے لغوی معنی چار اور 'رُباعی' کے لغوی معنی چار والا کے ہیں۔ اصطلاح میں 'رُباعی' اس مختصر نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر چار مصرعوں میں اپنی بات مکمل کر لیتا ہے یعنی رُباعی چار مصرعوں یا دو بیتوں پر مشتمل ایک مکمل اکائی ہوتی ہے۔ رُباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اس کے چاروں مصرعوں کا بحر ہزج کے مقررہ اوزان میں سے کسی وزن میں ہونا ضروری ہے۔ اس میں موضوعات کی کوئی قید نہیں ہے لیکن مصرع بہ مصرع خیال کا تسلسل اور ارتقا پایا جاتا ہے اور اس کے چوتھے مصرع میں خیال اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح رُباعی کا چوتھا مصرع بڑا اہم ہوتا ہے جس میں شاعر اپنے موضوع، اپنی بات یا اپنی فکر کو مکمل کرتا ہے۔ رُباعی کی معنویت اور اس کی اثر انگیزی کا دارومدار اسی آخری مصرع پر ہے۔ رُباعی کو 'دوبیتی' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں اسے 'ترانہ' بھی کہا جاتا تھا لیکن 'دوبیتی' اور 'ترانہ' رُباعی کے موجودہ اوزان میں نہیں لکھے جاتے تھے۔ صنفِ رُباعی مخصوص موضوعات تک محدود نہیں بلکہ اس کے موضوعات کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ تصوف، اخلاق، پندونصائح، دنیا کی بے ثباتی، حمد، نعت، منقبت اور فلسفہ وغیرہ اس کے محبوب موضوعات ہیں۔ اس کے علاوہ اُردو رُباعیوں میں عشقیہ موضوعات بھی ملتے ہیں۔ رُباعی کی ایجاد کا سہرا فارسی کے مشہور شاعر رودکی کے سر باندھا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لڑکا اخروٹ کی گوٹیاں بنا کر کھیل رہا تھا۔ اسی دوران ساری گوٹیاں گڑھے میں چلی گئیں لیکن ایک اخروٹ کنارے پر کچھ دیر تک لڑھکتا رہا، پھر وہ بھی گڑھے میں گر پڑا۔ اس کے گرنے کی دل چسپ آواز کو سن کر اس لڑکے کی زبان سے بے ساختہ ایک جملہ نکلا: 'غلطاں غلطاں ہمی رود تا لب گوئے'۔ رودکی کو یہ موزوں جملہ اور یہ بحر اتنی پسند آئی کہ انھوں نے اس لڑکے کے اس جملے پر تین اور مصرعے لگا دیے۔ کچھ تذکرہ نویسوں کے مطابق یعقوب لیث صفاری نے اپنے لڑکے کے منہ سے یہ کلمہ سنا اور اگلے دن اس پر گرہ لگانے کے لیے شعرا کے سامنے پیش کیا جس

پر ابوالحسن رودکی نے تین مصرعے لگا کر بات مکمل کر دی۔ اس طرح رُباعی کی صنف وجود میں آئی۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ رودکی سے قبل بھی رُباعی موجود تھی۔ رُباعی کے آغاز کے سلسلے میں بھلے ہی اختلافات پائے جاتے ہوں لیکن بیش تر محققین کے مطابق رُباعی کے پہلے شاعر ابوالحسن رودکی ہی ہیں جو فارسی شاعری کے 'باوا آدم' کہلاتے ہیں۔ رودکی کے علاوہ بابا طاہر عریاں، سرمدؔ، ابوسعید ابوالخیر، فرید الدین عطارؔ، حافظؔ شیرازی اور شیخ سعدیؔ وغیرہ مشہور رُباعی گو شاعر شمار کیے جاتے ہیں، بالخصوص عمر خیامؔ کا نام فارسی رُباعی نگاری کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا ہے۔ فارسی شعرا کے تتبع میں اُردو شعرا نے بھی رُباعی گوئی میں اپنی طبعیت کی جولانیاں دکھائیں۔ اُردو کی دوسری بہت سی شعری اصناف کی طرح اُردو رُباعی کی بنیاد بھی دکن میں پڑی لیکن اُردو کے پہلے رُباعی گو شاعر کون ہیں؟ اس سلسلے میں مختلف آرا ملتی ہیں۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ کا خیال ہے کہ فیروزؔ، محمودؔ اور ملا خیالیؔ کا کلام تلف ہو گیا۔ ممکن ہے کہ ان شاعروں نے رُباعیاں بھی کہی ہوں لیکن مواد کی عدم دستیابی کی وجہ سے ان میں سے کسی کے سر اولیت کا سہرا باندھنا مناسب نہیں ہے۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر نے اپنی تصنیف میں اسٹیٹ لائبریری، حیدر آباد کی ایک بیاض کے حوالے سے حضرت خواجہ بندہ نواز کی ایک رُباعی کی نشان دہی کی ہے لیکن ڈاکٹر سلام سندیلوی کے مطابق اُردو کا پہلا رُباعی گو شاعر محمد قلی قطب شاہ کو مانا جاتا ہے کیوں کہ رُباعی کے اولین نمونے سب سے پہلے ان ہی کے کلیات میں ملتے ہیں۔ ان کے مطابق ممکن ہے کہ محمد قلی قطب شاہ سے پہلے بھی شعرا نے رُباعیاں کہی ہوں لیکن ان کے نمونے موجود نہیں ہیں۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی کی رائے کو بیش تر محققین نے تسلیم کیا ہے۔ اس لیے اُردو کے پہلے رُباعی گو شاعر محمد قلی قطب شاہ ہی قرار پاتے ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ کے بعد ان ہی کے ہم عصر ملا وجہیؔ کے یہاں بھی رُباعیوں کے نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان کے بعد دکن میں جن شعرا نے رُباعیاں لکھیں، ان میں غواصیؔ، علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ، نصرتیؔ، ولیؔ دکنی اور سراجؔ اورنگ آبادی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

27.3.2 دکن میں اُردو رُباعی کا آغاز وارتقا

اُردو کی دوسری شعری اصناف مثلاً قصیدہ، غزل اور مثنوی وغیرہ فارسی سے مستعار ہیں اور ان سب کی بنیاد دکن میں پڑی۔ اُردو کی مذکورہ شعری اصناف کی طرح صنفِ رُباعی بھی فارسی سے مستعار ہے اور اس کا آغاز بھی دکن سے ہوا۔ اُردو میں رُباعی کے اولین نمونے اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان کے کلیات میں جو ۱۹۴۰ء میں مکتبہ ابراہیمیہ مشن پریس، حیدر آباد سے شائع ہوا، ۳۹ رُباعیاں موجود ہیں۔ ان سے پہلے کسی شاعر کے یہاں رُباعی کا نمونہ نظر نہیں آتا ہے۔ اس لیے محمد قلی قطب شاہ کو اُردو کا پہلا رُباعی گو شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے غلط فہمی سے ملا وجہیؔ کو اُردو کا پہلا رُباعی نگار سمجھ لیا تھا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں:

''محی الدین قادری زورؔ نے 'اُردو شہ پارے' میں محمد قلی قطب شاہ کے ہم عصر ملا وجہیؔ کی بھی دو رُباعیاں نقل کی ہیں لیکن انھوں نے وجہیؔ کو پہلا رُباعی گو کہیں نہیں لکھا، پھر بھی بعض نے غلطی سے ملاّ وجہیؔ کو اُردو کا پہلا رُباعی نگار سمجھ لیا ہے۔''

(ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اُردو رُباعی (فنی و تاریخی ارتقا)، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص:۶۴)

بعض لوگوں نے غلط فہمی سے مولانا حامد حسن قادری کے بیان ''رُباعیاں بھی اور اصناف سخن کی طرح شروع ہی سے پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ۱۷۰۰ء سے پہلے ایک شاعر عبدالقادر حیدر آبادی کی یہ رُباعی اپنے رنگ میں خوب ہے'' میں ۱۷۰۰ء سے پہلے کو محمد قلی قطب شاہ سے پہلے کا عہد سمجھ کر اُردو رُباعی کی اولیت کا سہرا عبدالقادر حیدر آبادی کے سر باندھا ہے۔ اُردو رُباعی کی اولیت کے سلسلے میں یہ بیانات اس لیے رد ہو جاتے ہیں کہ ملاّ وجہیؔ کی شاعری قلی قطب شاہ کے بعد عروج پاتی ہے اور عبدالقادر حیدر آبادی ولیؔ دکنی اور سراجؔ اورنگ آبادی کے ہم عصر ہیں۔ بہر حال تحقیق سے یہی پتا چلتا ہے کہ اُردو کے پہلے رُباعی گو شاعر محمد قلی قطب شاہ ہیں۔ ان کی رُباعیوں کے موضوعات میں رنگا رنگی اور تنوع ہے۔ وہ فطری طور پر حسن و عشق اور عیش پسندی کے دل دادہ تھے۔ اس طرح ان کی زندگی اور ان کی غزلیہ شاعری میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں، وہی ان کی رُباعیوں میں بھی ملتی ہیں۔ ان کی رُباعیاں سرور، مستی اور کیف سے پُر ہیں۔ ان کی بعض رُباعیوں میں معاملاتِ حسن و عشق، بعض رُباعیوں میں شراب اور کچھ رُباعیوں میں اخلاقی نکات موضوع بنائے گئے ہیں۔ انھوں نے اپنی چند رُباعیوں میں حمد، نعت اور منقبت بھی پیش کیے ہیں۔ ان کے علاوہ تصوف اور دنیا کی بے ثباتی وغیرہ پر بھی ان کے یہاں رُباعیاں ملتی ہیں لیکن ان کی وہی رُباعیاں دل کش معلوم ہوتی ہیں جن میں انھوں نے حسن و عشق کے معاملات کو نظم کیا ہے۔ قلی قطب شاہ کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اُردو رُباعی کو پند و موعظت اور اخلاقی مضامین کے ساتھ ساتھ اسے عشقیہ جذبات کے اظہار کا وسیلہ بنایا اور اس طرح اس کے دامن کو ابتدا سے ہی وسعت دی۔ ان کی کچھ رُباعیوں میں ناہمواری کی صورت بھی پائی جاتی ہے۔ البتہ ان کی کچھ رُباعیاں سلاست و روانی کی خصوصیت کے باعث توجہ کی مستحق ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی درج ذیل رُباعی ملاحظہ کیجیے:

تجھ حسن سے تازہ ہے سدا حسن و جمال
تجھ یار کی بستی سے ہے عشق کوں جمال
تو ایک ہے تجھ سا نہیں دوجا کوئی
کیوں پاوے جگت صفحہ میں کوئی تیری مثال

(قلی قطب شاہ)

ملّا وجہیؔ دکن کے بے حد اہم شاعر تھے۔ وہ ابراہیم قطب شاہ، محمد قلی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ ان کی شاعری کا عروج بھلے ہی قلی قطب شاہ کی شاعری کے بعد ہوا لیکن ان کا شمار قلی قطب شاہ کے ہم عصر شعرا میں ہوتا ہے۔ انھوں نے باضابطہ طور پر رُباعی نہیں کہی بلکہ مثنوی لکھتے ہوئے ضرورت کے مطابق غزل کی طرح رُباعیاں بھی لکھیں۔ 'قطب مشتری' میں ان کی نو رُباعیاں ملتی ہیں جن میں عشقیہ جذبات پیش کیے گئے ہیں۔ ان کی ایک رُباعی 'سب رس' میں بھی ملتی ہے۔ ان کی رُباعیوں کی زبان اور اس کا انداز بیان قلی قطب شاہ کی رُباعیوں جیسا ہی ہے لیکن کہیں کہیں غیر مانوس الفاظ بھی آ گئے ہیں۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی دیکھیے :

دنیا کے سو لوگوں میں وفا دستا نئیں
دھند دیکھے جتا باج جفا دستا نئیں
بے مہر بنی آدم ہے اس سوں اس کی
دل باند نے میں کچ نفا دستا نئیں

(ملا وجہیؔ)

غواصیؔ کا شمار بھی دکن کے ممتاز شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کے کلیات میں تیس رُباعیاں موجود ہیں۔ ان کی رُباعیاں تصوف، اخلاق اور عشقیہ موضوعات کے علاوہ بادشاہ کی مدح پر بھی مشتمل ہیں۔ ان کی رُباعیاں بھی قدیم دکنی زبان میں ہیں۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی ملاحظہ کیجیے:

پتلی کوں تری ناؤں جو برجیس رکھیا
مہتاب وہیں پانوں پہ آسیس رکھیا
اس ناز بھری انک کے سنگھار بدل
سرمے کی نمن جیوں کو میں پیس رکھیا

(غواصیؔ)

علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ عادل شاہی حکومت کے آٹھویں بادشاہ اور اُردو کے ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ ان کے کلیات میں تو رُباعیاں نہیں ہیں البتہ پروفیسر سیدہ جعفر نے پاکستان کی ایک بیاض سے ان کی تین رُباعیاں نقل کی ہیں جن میں سے یہ رُباعی ملاحظہ کیجیے:

مج باج سکی کس سوں ترا میل نکو
مل غیر سوں ہرگز تو کدھیں کھیل نکو
لٹ پٹ جو نپٹ ہوں تو تجے بھور بھلی
سے جیو کی کڑی ہات دے مج ٹھیل نکو

(علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ)

نصرتیؔ عادل شاہی دور کے انتہائی قادرالکلام شاعر تھے۔ وہ علی عادل شاہ ثانی شاہی کے دربار میں ملک الشعرا کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کے دیوان میں کئی رُباعیاں موجود ہیں جن میں عشقیہ جذبات کم اور ترکِ دُنیا اور اخلاق سے متعلق موضوعات زیادہ ملتے ہیں۔ زبان و بیان کے لحاظ سے ان کی رُباعیاں ماقبل شعرا کی بہ نسبت صاف اور نکھری ہوئی ہیں۔ ان کی یہ رُباعی دیکھیے:

ناداں سو نصیحت کے بچن بول نکو
پانی منے کھارے تو شکر گھول نکو
کیا قدر گہر کی جانے گا بد گوہر
دھنگر کے انگے مانک کا گھر مول نکو

(نصرتیؔ)

مذکورہ شعرا کے علاوہ فیروزیؔ، میراں جی خدانماؔ، منشی، میراںؔ یعقوب، گوہریؔ، بابا شاہ حسینیؔ، جانم ثانی، پیر باشا حسینی، ولیؔ دکنی، سراجؔ اورنگ آبادی اور عبدالقادر حیدرآبادی وغیرہ نے بھی رُباعیاں لکھیں۔ ان شعرا میں ولیؔ دکنی، سراجؔ اورنگ آبادی اور عبدالقادر کا نام دکن کی رُباعی گوئی میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ولیؔ نے بہت زیادہ رُباعیاں نہیں کہی ہیں۔ ان کے کلیات میں جسے نورالحسن ہاشمی نے مرتب کیا ہے، صرف چھبیس رُباعیاں ہیں لیکن اتنے قلیل سرمایے کے باوجود اُردو رُباعی گوئی میں وہ ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ ان کی رُباعی گوئی پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر سیدہ جعفر رقم طراز ہیں:

''ان کی رُباعیوں میں فنی رچاؤ، پختگی، ادبی لطافت اور حسن بیان سب ہی خصوصیات ملتی ہیں۔ ولیؔ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے حسن حقیقی کو حسن مجازی کے استعاروں میں بڑا دل فریب اور تیکھا بنا کر پیش کیا ہے۔ ولیؔ کی اکثر رُباعیاں متصوفانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں لیکن ان کے دل کش انداز نے ان رُباعیوں کو بڑا حسین اور پُر اثر بنا دیا ہے۔''

(ڈاکٹر سیدہ جعفر، دکنی رُباعیاں، آندھرا پردیش ساہتیہ اکادمی، حیدرآباد، ۱۹۶۶ء، ص: ۱۵۹)

ولیؔ کی رُباعیوں میں تصوف، اخلاق، عشق حقیقی اور مجازی جیسے موضوعات شامل ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں ہندوستانی مزاج، مقامی رسم و رواج اور معاشرتی و تہذیبی عناصر کو بھی بڑی چابک دستی اور خوش اسلوبی سے سمویا گیا ہے۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی دیکھیے:

اے جیو دوعالم کا ترے مکھ پہ فدا
محتاج تری ذات سوں سب شاہ و گدا

مج عاجز و بے کس پی نظر رحم سوں کر
اے منظر ہر ناظر و منظور خدا

(ولؔی)

سراؔج اورنگ آبادی بنیادی طور پر صوفیانہ مزاج رکھتے تھے۔اس لیے ان کی رُباعیوں میں تصوف کے مضامین کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔اس کے علاوہ ان کی رُباعیوں میں کہیں کہیں عاشقانہ جذبات بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی ملاحظہ ہو:

ہر آن ترے خیال میں ہوں مشغول
یک بار نگاہ مہربانی سیں نہ بھول
بندہ ہوں ترا ہمیشہ جان و دل سیں
اے قادر بے نیاز کر مج کو قبول

(سراؔج اورنگ آبادی)

شاعر عبدالقادر حیدرآبادی نے بھی دل چسپ رُباعیاں کہی ہیں۔ذیل میں ان کی ایک رُباعی ملاحظہ کیجیے جو اپنے رنگ میں خوب ہے:

ہرچند ہمن سب سے اٹھایا ہے ہات
اس پر بھی نہ آزاد کہائے ہیہات
عالم منے ہر ایک یہ کہتا ہوگا
دکھن میں ہے قادر ابھو درقید حیات

(عبدالقادر حیدرآبادی)

ولؔی، سراؔج اور عبدالقادر حیدرآبادی کے بعد دکن کے قدیم رُباعی گو شعرا میں پرواؔنہ، شاہ عظیؔم، شہ میر، عزلؔت، مفتوؔن، عشؔق، آزاؔد، عبرؔت، تمؔنا، آگاؔہ اور شاہ کمال وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ان کے علاوہ انیسویں صدی سے لے کر دورِ جدید تک دکن میں جن شعرا نے رُباعیاں کہیں اور اسے ترقی دی، ان میں میر محبوب علی خاں، میر کاظم علی برؔق، آزاد توکلی، مہاراجہ سرکشن پرشاد شاؔد، جلیؔل مانک پوری، محمد باقر آگاہ، راے منوہر لال، تسلیم گلشن آبادی، رگھونندن سکینؔہ، جلال الدین توفیؔق، مرزا حبیب علی، عبدالقدیر حسرؔت، محمد بہادر خاں، امجؔد حیدرآبادی، رشیؔد انصاری، میر مہدی علی، صفؔی اورنگ آبادی، محمد اسمٰعیل، جذؔب عالم پوری، عطؔا کلیانوی، میر ثامن علی نسیاؔں اور صاحؔب حیدرآبادی وغیرہ کے نام سرِ فہرست ہیں۔

27.3.3 شمالی ہند میں اُردو رُباعی کا آغاز وارتقا

شمالی ہند میں ریختہ میں شعر کہنے کا رواج اس وقت ہوا جب ولؔی دکنی کا دیوان دہلی پہنچا۔اس کے بعد شمالی ہند کے

شعرا بھی اُردو شاعری کی طرف مائل ہوئے اور انھوں نے مختلف شعری اصناف میں طبع آزمائی کی۔ یہی وہ عہد ہے جب شمالی ہند میں اردو رُباعی کا آغاز ہوا۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کے مطابق فائز شمالی ہند کے پہلے شاعر ہیں لیکن ان کے کلام میں رُباعیاں موجود نہیں ہیں۔ ڈاکٹر محی الدین زور نے 'سرگزشت حاتم' میں حاتم کی دو رُباعیوں کی نشان دہی کی ہے۔ ان کی ایک رُباعی دیکھیے:

یک ذرہ کبھو نہ کام آئی مجھ کو
دولت مندوں کی آشنائی مجھ کو
گو فائدہ ان سے ہو نہ ہو حاتم ہوں
یکساں ہے شاہی اور گدائی مجھ کو
(حاتؔم)

ڈاکٹر سلام سندیلوی کا خیال ہے کہ حاتؔم نے ۱۷۳۲ء سے قبل اپنی رُباعیاں کہی ہیں۔ اسی لیے حاتؔم شمالی ہند میں اُردو کے پہلے رُباعی گو شاعر قرار پاتے ہیں۔ حاتؔم کے ہم عصر قائؔم چاند پوری نے بھی رُباعیاں لکھی ہیں۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی نے ان کی چھیاسٹھ ٦٦ رُباعیوں کی نشان دہی کی ہے۔ میر تقی میؔر نے بھی اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کی ایک رُباعی درج کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

کیا پشم ہیں دنیا کے یہ سب اہل نعیم
بے قدر کریں ہم کو جو دے کر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجیے سجدہ
محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم
(قائؔم چاند پوری)

شمالی ہند میں رُباعی گوئی کے لحاظ سے خواجہ میر دردؔ، میر سوزؔ، سوداؔ، میر حسنؔ اور میر تقی میؔر کا دور بہت اہم رہا ہے۔ خواجہ میر دردؔ نے فارسی میں زیادہ رُباعیاں لکھی ہیں۔ اُردو میں انھوں نے تیس بتیس رُباعیاں کہی ہیں لیکن ان کی اُردو رُباعیاں ہر قسم کے رطب و یابس سے پاک اور شعری نزاکتوں اور فنی لطافتوں سے پُر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو میں رباعی گو شاعر کی حیثیت سے انھیں اپنے معاصرین میں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ دردؔ صوفی منش اور خلوت نشیں ضرور تھے لیکن عاشقانہ طبیعت کے مالک تھے جس نے تصوف جیسے خشک موضوع میں بھی ایسی دل کشی اور چاشنی پیدا کر دی ہے کہ ان کی غزلوں کی طرح ان کی رُباعیوں میں بھی گداز اور چلبلے پن کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ ان کی رُباعیوں میں صبر و قناعت، تسلیم و رضا، وحدت فی الکثرت، دنیا کی بے ثباتی اور اس قسم کے دوسرے تصوفانہ مسائل بھی نظم کیے گئے ہیں لیکن ان کی وہ رُباعیاں زیادہ دل کش معلوم ہوتی ہیں جن میں عاشقانہ جذبات پیش کیے گئے ہیں۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی دیکھیے:

ہم نے بھی کبھی جام و سبو دیکھا تھا
جو کچھ کہ نہیں ہے روبرو دیکھا تھا
ان باتوں کو جو غور کرکے اے دردؔ
کچھ خواب سا تھا کہ وہ کبھو دیکھا تھا

(خواجہ میر دردؔ)

میر دردؔ کے چھوٹے بھائی میر اثرؔ نے بھی رُباعیاں کہی تھیں لیکن انھیں وہ شہرت ومقبولیت حاصل نہ ہوسکی جو میر دردؔ کے حصے میں آئی تھی۔ البتہ میر سوزؔ کا نام رُباعی گوئی کے حوالے سے نمایاں ہے۔ وہ بنیادی طور پر غزل کے نمائندہ شاعر ہیں لیکن انھوں نے رُباعیاں بھی لکھی ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں بھی اخلاقی اور عشقیہ مضامین ملتے ہیں اور انداز بیان سادہ وسلیس ہے۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی ملاحظہ کیجیے:

کہتا ہوں میں جس سے آشنائی کی بات
سنتا ہے وہ مجھ سے اور ملتا ہے ہات
کہتا ہے یہ کیا کیا ناداں تو نے
اب کیوں کے کٹے گی سوز تیری اوقات

(میر سوزؔ)

مرزا محمد رفیع سوداؔ اُردو قصیدہ کے عظیم المرتبت شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ انھوں نے اُردو میں تقریباً اسّی ۸۰ رُباعیاں کہی ہیں جن میں سے کچھ ہجویہ رُباعیاں ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں وہ زور نظر نہیں آتا جو ان کے قصیدے اور غزل میں ہے۔ شیخ چاند نے ان کی رُباعیوں کے تعلق سے لکھا ہے:

> ''سوداؔ کے کلیات میں تقریباً اسّی رُباعیاں ملتی ہیں جن کے موضوعات مختلف ہیں۔ مدح، ہجو، مذہب، اخلاق، عشق ومحبت، شاعرانہ فخر وتعلّی اور ذاتی حالات وغیرہ پر سوداؔ نے رُباعیاں لکھی ہیں۔ اس لیے اس کی رُباعی کا کوئی خاص رنگ نہیں۔ جس طرح اس کے موضوعات مختلف ہیں، اسی طرح اس کی زبان و بیان میں بھی فرق ہے۔''
>
> (شیخ چاند، سوداؔ، انجمن ترقی اُردو، کراچی، پاکستان، ۱۹۶۳ء، ص: ۲۴۱)

ذیل میں سوداؔ کی ایک مشہور رُباعی دیکھیے:

سوداؔ پے دنیا بہ ہر سو کب تک؟
آوارہ ازیں کوچہ بآں کو کب تک؟

حاصل یہی اس سے نہ کہ دنیا ہووے
بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک؟

(سوداؔ)

میر حسنؔ مثنوی نگار کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ان کی مثنوی 'سحرالبیان' اُردو کی شاہ کار مثنوی تسلیم کی جاتی ہے۔ انھوں نے فارسی کے ساتھ ساتھ اُردو میں بھی رُباعیاں لکھی ہیں۔ عشق، تصوف و عرفان، اخلاق، فلسفہ اور مذہب وغیرہ ان کی رُباعیوں کے مخصوص موضوعات ہیں۔ نیچے ان کی ایک رُباعی ملاحظہ کیجیے:

ہر آن میں آپ کو دکھا جاتے تھے
مشتاق کو تسکین دلا جاتے تھے
کیوں دیر لگی ہے کس نے روکا تم کو
اب تک تو کئی بار تم آجاتے تھے

(میر حسنؔ)

میر تقی میرؔ اُردو شاعری میں خدائے سخن کے نام سے مشہور ہیں۔ اُردو شاعری میں ان کا اصل میدان غزل گوئی ہے۔ انھوں نے رُباعیاں بھی اچھی خاصی کہی ہیں۔ 'کلیات میر' مطبع نول کشور ۱۸۹۲ء میں تقریباً سوا سو رُباعیاں موجود ہیں۔ انھوں نے کچھ رُباعیاں رسماً اہل بیت کی مدح و ثنا میں کہی ہیں، کچھ میں اپنی بد دماغی، پراگندہ خیالی اور شاعرانہ تعلّی کا اظہار کیا ہے اور کچھ میں تصوف کے مسائل کو نظم کیا ہے لیکن ان کی زیادہ تر رُباعیاں عشق کی مختلف کیفیات و جہات کی عکاس ہیں جو فنی اعتبار سے دل چسپ ہیں۔ زبان و بیان کے لحاظ سے ان کی رُباعیاں صاف اور سادہ ہیں۔ ان کی بیش تر رُباعیوں میں وہی مٹھاس، سوز و گداز، کسک، نرمی، شیرینی اور اثر خیزی پائی جاتی ہے جو ان کی غزل کا وصفِ خاص ہے۔ بہ طور مثال ان کی درج ذیل رُباعیاں دیکھیے:

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا
مے خانے میں جوش بادہ نوشاں دیکھا
اک گوشہ عافیت جہاں میں ہم نے
دیکھا سو محلۂ خموشاں دیکھا

(میر تقی میرؔ)

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے
خوں نابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلتِ کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر
مرمر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

(میر تقی میرؔ)

شمالی ہند کی رُباعی نگاری میں حسرتؔ دہلوی کا نام بھی سرِ فہرست ہے۔ان کے ضخیم کلیات میں پانچ سو سے زیادہ رُباعیاں شامل ہیں۔رُباعی گوئی کے حوالے سے غمگیںؔ دہلوی کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔کہا جاتا ہے کہ اس عہد میں سب سے زیادہ رُباعیاں انھوں نے ہی لکھیں۔ان کی رُباعیوں کے مجموعہ ُمکاشفات الاسرار ٔ میں ۱۸۰۰ اوران کے دیوان میں ۹۳ رُباعیاں ہیں۔ذیل میں ان کی ایک رُباعی دیکھیے :

دنیا کچھ مال ہے نہ زر ہے غمگیں
اچھا نہ مکاں نہ گھر ہے غمگیں
کچھ خوب بعام نہ زن ہے نہ لباس
غفلت اللہ سے مگر ہے غمگیں

(غمگیںؔ دہلوی)

مصحفیؔ اُردو کے بلند پایہ غزل گوشاعر ہیں۔غزل کے علاوہ انھوں نے رُباعیاں بھی کہی ہیں۔ان کے دیوان میں تقریباً ۱۶۴ رُباعیاں موجود ہیں جن میں عشق، اخلاق اور فلسفہ کے موضوعات حاوی ہیں۔ذیل میں ان کی ایک رُباعی دیکھیے :

دل پہلو میں قلق سے دکھ پاتا ہے
اور جی کی یہ حالت ہے کہ گھبراتا ہے
ہے کس کے لیے یہ اتنی وحشت یارب
کیا جانیے ہم کو کون یاد آتا ہے

(مصحفیؔ)

مذکورہ شعرا کے علاوہ ان کے شاگردوں اور دوسرے ہم عصر شعرا مثلاً راسخؔ ، وحشتؔ ،عبدالحی تاباںؔ ،احسن اللہ خاں بیاںؔ ، اشرف علی فغاںؔ ،تسلیمؔ ،اسیرؔ اور عزیز بھکاری وغیرہ نے بھی دل چسپ رُباعیاں کہی ہیں۔بالخصوص تاباںؔ اور احسن اللہ خاں بیاںؔ کی رُباعیاں زیادہ جاذبِ توجہ ہیں۔تاباںؔ کی زیادہ تر رُباعیاں عشقیہ ہیں جن میں میرؔ کی رُباعیوں کی طرح تغزل وگداز موجود ہے۔نیچے ان کی ایک رُباعی ملاحظہ کیجیے:

مے خانہ میں کیا پھرے ہے مٹکی مٹکی
زاہد عابد سے دور پھٹکی پھٹکی
قاضی سے ڈرے نہ محتسب سے کافر
یہ دخترِ رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

(تاباںؔ)

احسن اللہ خاں بیاںؔ کی رُباعیوں میں بھی حیرت انگیز دل کشی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ذیل میں ان کی ایک رُباعی دیکھیے :

سو طرح سے عشق لبھاتا ہے مجھے
ہر چیز میں آ جلوہ دکھاتا ہے مجھے
کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہے یارب
ہر چاہ میں یوسف نظر آتا ہے مجھے
(بیاںؔ)

میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ سے پہلے دبستانِ لکھنؤ سے وابستہ شعرا کے یہاں رُباعیاں کم نظر آتی ہیں۔ انشاء اللہ خاں انشاؔ، سعادت یار خاں رنگینؔ اور امام بخش ناسخؔ وغیرہ نے کم رُباعیاں کہی ہیں اور اس میں وہ اپنی کوئی مخصوص پہچان بھی نہیں بنا سکے ہیں۔ البتہ اس عہد کے لکھنوی شعرا میں صرف جرأتؔ کے یہاں قابل قدر تعداد میں رُباعیاں نظر آتی ہیں۔ 'کلیات جرأت' مطبوعہ کارنامہ لکھنؤ ۱۳۰۰ھ میں تقریباً سوا سو رُباعیاں موجود ہیں۔ اس طرح جرأت اپنے عہد کے سب سے بڑے رُباعی نگار کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔ ان کی غزلوں کی طرح ان کی رُباعیوں میں بھی معاملہ بندی، شوخی، چلبلاپن، نوک جھونک، بے باکی اور ہلکے پھلکے جذبات کی ترجمانی کی خصوصیات موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی درج ذیل رُباعی دیکھیے :

کچھ عشق میں تو مزہ نہ پایا ہم نے
اس دل ہی کو مفت میں گنوایا ہم نے
اور جس کے لیے گنوایا دل کو جرأت
اس کو اپنا کبھی نہ پایا ہم نے
(جرأتؔ)

اُردو رُباعی نگاری میں مشہور عوامی شاعر نظیرؔ اکبر آبادی کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ ان کے کلیات میں بائیس تیئیس رُباعیاں موجود ہیں جن میں اخلاقی اور واعظانہ مضامین پیش کیے گئے ہیں۔ ان کی رُباعیوں کا رنگ ماقبل شعرا سے الگ ہے۔ انھوں نے دو ایک رُباعیوں میں حمد ونعت کو پیش کیا ہے۔ ان کی رُباعیوں میں عشق کے معاملات کا ذکر کم اور سیدھی سادی نصیحت آمیز باتوں کا بیان اور روزمرہ کے لیے مفید اخلاقی درس زیادہ ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کی وہی رُباعیاں بہتر معلوم ہوتی ہیں جن میں عشق و عاشقی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ان کی درج ذیل رُباعی ملاحظہ کیجیے:

رکھتے ہیں جو ہم چاہ تمھاری دل میں
آرام کی ہے امیدواری دل میں
تم حکمِ قرار نہ دوگے جب تک
البتہ رہے گی بے قراری دل میں
(نظیرؔ اکبر آبادی)

شمالی ہند میں رُباعی گوئی کے لحاظ سے مومنؔ و غالبؔ کا دور بڑا اہم مانا جاتا ہے۔ اس عہد میں جہاں دہلی میں غالبؔ، بہادر شاہ ظفرؔ، ذوقؔ اور مومنؔ نے صنفِ رُباعی کو فکری وفنی بلندی عطا کی، وہیں لکھنؤ میں میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے اسے ترقی کی نئی راہ پر گامزن کیا۔ مرزا غالبؔ نے غزل کی طرح رُباعی کی طرف خصوصی توجہ نہیں دی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رُباعیوں کا رنگ پھیکا ہے۔ انھوں نے چودہ پندرہ رُباعیاں کہی ہیں۔ دو چار رُباعیوں میں حمد ونعت کو، ایک دو رُباعیوں میں اہل بیت کی مدح کو اور چند رُباعیوں میں بادشاہ کی تعریف کو پیش کیا ہے۔ انھوں نے تین چار عشقیہ رُباعیاں بھی کہی ہیں لیکن وہ بھی پھیکی اور بے مزہ ہیں۔ مختصر یہ کہ ان کی غزلوں کی طرح ان کی رُباعیوں میں بلند سطح نظر نہیں آتی۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی دیکھیے:

شب زلف و رُخ عرق فشاں کا غم تھا
کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک
ہر قطرۂ اشک دیدۂ پُرنم تھا

(غالبؔ)

بہادر شاہ ظفرؔ کے یہاں رُباعیاں تو نہیں ملتی ہیں البتہ دو بیتیاں ضرور ملتی ہیں۔ ذوقؔ نے سولہ سترہ رُباعیاں ہی کہی ہیں لیکن ان کی رُباعیاں غالبؔ سے بہتر معلوم ہوتی ہیں۔ انھوں نے زیادہ تر رُباعیاں حمد ونعت اور اہلِ بیت کی تعریف میں رسمی طور پر کہی ہیں۔ ان کی رُباعیاں بلند مضمون سے بھلے ہی عاری ہیں لیکن روزمرّہ اور محاورے کے لطف سے آراستہ ہیں۔ ان کی کچھ رُباعیاں بہت مشہور ہیں جن میں سے ایک درج ذیل ہے:

اس جہل کا ہے ذوق ٹھکانا کچھ بھی
دانش نے کیا دل کو نہ دانا کچھ بھی
ہم جانتے تھے علم سے کچھ جانیں گے
جانا تو یہ جانا کہ نہ جانا کچھ بھی

(ذوقؔ)

اس عہد کے دہلوی شعرا میں مومن خاں مومنؔ کو رُباعی نگار کی حیثیت سے اپنے تمام معاصرین میں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ ان کے کلیات میں تقریباً ڈیڑھ سو رُباعیاں موجود ہیں۔ انھوں نے اپنی رُباعیوں میں حمد، نعت اور منقبت سے لے کر دنیا کی بے ثباتی، پندونصائح، اخلاقی درس، شاعرانہ تعلّی، طعن وتشنیع، معرفت کے نکات، تصوّف کے مسائل، مذہبی معتقدات، ذاتی حالات، ماحول کے تقاضوں، تاریخی سانحوں، دلی کوائف اور نیم سماجی ونیم مذہبی تحریکات، ان سب کو پیش کیا ہے۔ ان کی رُباعیاں اسلوب بیان کی دل کشی اور مضامین کی رنگارنگی

کی وجہ سے اُردو رُباعی کی تاریخ میں بڑی اہمیت اور قدر و قیمت کی حامل ہیں۔ مومنؔ رنگین طبع اور عاشقانہ مزاج کے حامل انسان تھے۔ نوجوانی کے زمانے میں ان کے عشق و محبت کے قصّے بہت مشہور تھے۔ اس کا اثر ان کی رُباعیوں پر بھی پڑا۔ ان کی عشقیہ رُباعیوں میں جذبات کی شدت اور بیان کی کیفیت رسمی یا خیالی محبت کی بجائے سچی محبت کی عکاس معلوم ہوتی ہے۔ ان کی غزلوں کی طرح ان کی رُباعیوں میں بھی محبت کی چوٹ، باطنی اضطراب، جوانی کی یاد، حسن و عشق کی نوک جھونک اور تخیلی گلکاریاں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی درج ذیل رُباعیاں دیکھیے:

کیسے دیے پیچ و تاب دل نے مجھ کو
دکھلائے یہ سب عذاب دل نے مجھ کو
وحشت زدہ کوُ بہ کوُ پڑا پھرتا ہوں
کیا کیا نہ کیا خراب دل نے مجھ کو
(مومنؔ)

وصلت میں کبھی مزہ نہ پایا ہم نے
عشق ایک فریب تھا جو کھایا ہم نے
اے کاش کہ جان دل سے پہلے دیتے
جس کے باعث عذاب اٹھایا ہم نے
(مومنؔ)

اس عہد میں جہاں دہلی میں اردو رُباعی کا فروغ ہوا، وہیں لکھنؤ میں بھی اُردو رُباعی نے بڑی ترقی کی۔ اس سے پہلے دبستان لکھنؤ کے شعرا کے یہاں اُردو رُباعی کی مستحکم روایت نظر نہیں آتی۔ یہی وہ عہد ہے جب میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے اُردو رُباعی کی طرف خصوصی توجہ دے کر اسے قابلِ قدر اہمیت کا حامل بنا دیا اور اسے ترقی کی بلندیوں پر پہنچایا۔ انیسؔ نے تقریباً ساڑھے پانچ سو اور دبیرؔ نے تقریباً دو سو رُباعیاں کہی ہیں۔ ان دونوں نے اپنی رُباعیوں میں عاشقانہ مضامین اور صوفیانہ خیالات کے ساتھ واقعات کربلا اور ان کے متعلقات و اثرات کا ذکر کیا ہے۔ کربلا کے واقعات کی مدد سے انھوں نے اہلِ بیت کی مدح، صبر و شکر، حمد و ثنا، عزم و استقلال، وفاداری، اخوّت و جاں بازی، جاں نثاری، ایثار، حق پرستی، جہاد، صداقت، عجز و انکساری اور ظلم و شقاوت کی مذمت جیسے اخلاقی موضوعات کو اپنی رُباعیوں میں پیش کیا ہے۔ اردو رُباعی گوئی میں میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کا خاص امتیاز یہ ہے کہ ان دونوں نے اُردو رُباعی کو تصوف اور عشق کے ساتھ ساتھ زندگی کی اخلاقی قدروں کا ترجمان بنایا اور معنوی اعتبار سے اسے وسعت دی۔ ان دونوں شعرا نے اُردو رُباعی کو عوام الناس سے روشناس کرایا اور لوگوں کے درمیان اسے مقبول بھی بنایا۔ اُردو رُباعی نگاری میں یہ بھی ان دونوں شعرا کا اہم کارنامہ ہے۔

ان دونوں کی رُباعیاں موضوع کی وسعت، بیان کی صفائی، زبان کی سلاست وروانی اور فنی پختگی کی وجہ سے بے حد دل کش اور موثر معلوم ہوتی ہیں۔ ان دونوں کی رُباعیوں میں اپنے پیش روؤں کے مقابلے میں نظم وضبط اور برجستگی زیادہ پائی جاتی ہے۔ ان دونوں کی رُباعیوں میں دردؔ اور میرؔ کی طرح تغزل کی چاشنی نہیں ہے بلکہ ان دونوں نے اکثر رُباعیاں مخصوص مذہبی معتقدات، شاعرانہ تعلّی اور مجلسی داد وتحسین کے لیے کہی ہیں۔ ان دونوں شعرا نے اپنی جن رُباعیوں میں زندگی کی عام صداقتوں اور مصلحانہ جذبات کو شاعرانہ حسن کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ اپنے رنگ میں خوب ہیں۔ ذیل میں ان دونوں کی رُباعیاں ملاحظہ کیجیے:

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری صورت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے

(انیسؔ)

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیران ہوں دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

(انیسؔ)

یارب خلاق ماہ و ماہی تو ہے
بخشندۂ تاج و تخت شاہی تو ہے
بے منت و بے سوال و بے استحقاق
دیتا ہے جو سب کو یا الٰہی تو ہے

(دبیرؔ)

نادان کہوں دل کو یا خردمند کہوں
یا سلسلۂ وضع کا پابند کہوں
اک روز خدا کو منہ دکھانا ہے دبیرؔ
بندوں کو میں کس طرح خداوند کہوں

(دبیرؔ)

انیسؔ ودبیرؔ کے فوراً بعد خواجہ الطاف حسین حالیؔ، اکبرؔ الہ آبادی، اسمٰعیلؔ میرٹھی، میر مہدی مجروحؔ، شادؔ عظیم آبادی، شوقؔ رضا نیموی، امیرؔ مینائی اور پیارے صاحب رشید میاںؔ جیسے ممتاز رُباعی نگار سامنے آئے۔ حالیؔ اور اکبرؔ نے

صنفِ رُباعی کو اپنے تعمیری، اصلاحی اور افادی مقصد کا وسیلہ بنایا۔ حالؔی نے مختلف موضوعات پر رُباعیاں لکھی ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں عصری زندگی کی جھلک اور سماجی حالات کا عکس بھی ہے اور قوم کے زوال کا ماتم بھی۔ ان کی بہت سی رُباعیاں مذہب و اخلاق سے متعلق ہیں جن میں تنگ نظری نہیں بلکہ مذہبی رواداری ہے۔ ان کی رُباعیوں میں حمد، نعت، عشق، ایمان، کفر، اسراف، نفاق، بے مہری، مکر وریا، عفو، پشیمانی، گدائی، دہریت، قبر پرستی، مساعدوقت، ثابت قدمی، صلح کل، امتحانِ وقت، شراب خوری، قمار بازی، انقلاب روزگار، آثارِ زوال، جوہرِ قابلیت، عزّت، حلم، توقع، غیبت، سخاوت، محنت، حسنِ ظن، حقیقت انسان، مخالفت، عیب پوشی، تعصّب، جہالت، جوانی، بڑھاپا، جھوٹی نمائش، عزّت خاندانی، غمِ روزگار، یادرفتگاں، صبر کا پھل، محنت کی برکتیں، مدح و ذم، رفاہ عام، قومی ہمدردی، توکّل اور وقت کی اہمیت، یہ تمام موضوعات ملتے ہیں۔ انھوں نے اپنی رُباعیوں کے ذریعے قوم کی زبوں حالی کا احساس دلاتے ہوئے تعلیم کی اہمیت سے روشناس کرایا اور اخلاقی بلندی اور سماجی شعور پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالؔی کا اصل مقصد اصلاح تھا۔ اس لیے ان کی رُباعیوں میں اصلاحی رنگ حاوی ہے۔ مثال کے طور پر ان کی درج ذیل رُباعی ملاحظہ کیجیے:

ہے جان کے ساتھ کام انسان کے لیے
بنتی نہیں زندگی میں بے کام کیے
جیتے ہو تو کچھ کیجیے زندوں کی طرح
مُردوں کی طرح جیے تو خاک جیے
(حالؔی)

حالؔی کی طرح اکبؔر الہ آبادی نے بھی رُباعی نگاری سے اصلاح کا کام لیا۔ انھوں نے تصوّف، اخلاق، دنیا کی بے ثباتی اور پند ونصائح کے علاوہ دوسرے موضوعات مثلاً عصری سیاست، مختلف تحریکات بالخصوص سرسید تحریک اور مغربی تہذیب کی اندھی تقلید وغیرہ پر بھی رُباعیاں کہی ہیں۔ انھوں نے اپنی رُباعیوں میں اپنے دور کے سیاسی حالات ومسائل اور مختلف سیاسی وسماجی تحریکات سے متعلق اپنے جذبات واحساسات اور افکار وخیالات کی عکاسی کرتے ہوئے اپنے عہد کی صورت حال کی بہترین مرقع کشی کی ہے۔ انھوں نے اپنے طنزیہ ومزاحیہ انداز بیان سے ایک نئے اسلوب کو جنم دیا ہے جس سے ان کی رُباعیوں میں شگفتگی اور دل کشی پیدا ہوگئی ہے۔ ان کا منفرد انداز بیان انھیں اپنے ہم عصروں میں ممتاز بناتا ہے۔ بہ طور مثال ان کی درج ذیل رُباعی دیکھیے:

کیا تم سے کہیں جہاں کو کیسا پایا
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
آنکھیں تو بے شمار دیکھیں لیکن
کم تھیں بخُدا کہ جن کو بینا پایا
(اکبؔر)

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا
(اکبؔر)

اسمٰعیل میرٹھی نے تقریباً چالیس بیالیس رُباعیاں کہی ہیں جن میں حالیؔ واکبؔر کی طرح مصلحانہ انداز نمایاں ہے۔ انھوں نے زندگی کے عام مسائل اور قومی وملکی ضرورتوں کو بڑی سادگی سے نظم کیا ہے لیکن ان کی رُباعیوں میں حالیؔ واکبؔر کی طرح مضامین کا تنوع نہیں ہے، البتہ اسلوب کی سادگی پڑھنے پر مجبور کرتی ہے۔ بہ طور نمونہ ان کی درج ذیل رُباعی دیکھیے:

پانی میں ہے آگ لگانا دشوار
بہتے ہوئے دریا کو پھیر لانا دشوار
دشوار ہے مگر نہ اتنا دشوار
بگڑی ہوئی قوم کو بنانا دشوار
(اسمٰعیلؔ میرٹھی)

غالبؔ کے محبوب شاگرد میر مہدی مجروحؔ کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ ان کے دیوان میں بتیس رُباعیاں ہیں جن میں اہلِ بیت کی مدح وثنا پیش کی گئی ہے اور واقعاتِ کربلا کا ذکر کیا گیا ہے۔ انھوں نے کچھ عشقیہ رُباعیاں بھی کہی ہیں جن میں دہلوی رنگ کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ مثال کے طور پر ان کی درج ذیل رُباعی ملاحظہ کیجیے:

ان کو کبھی ادھر کو آنا ہی نہیں
قسمت میں ہماری چین پانا ہی نہیں
ہر ایک کی بودوباش کی مقرّر ہے جا
پر یار کے ظلم کا ٹھکانا ہی نہیں
(میر مہدی مجروحؔ)

شادؔ عظیم آبادی اُردو غزل کے انتہائی اہم شاعر ہیں۔ ان کا تعلق دبستانِ عظیم آباد سے تھا۔ انھوں دیگر شعری اصناف میں طبع آزمائی کرنے کے علاوہ بہترین رُباعیاں کہی ہیں جن میں ان کا مخصوص متغزلانہ رنگ موجود ہے۔ ان کی رُباعیوں کا حمید عظیم آبادی نے انگریزی میں ترجمہ بھی کیا جو ۱۹۴۵ء میں کرشنا پریس، پٹنہ سے شائع ہوا۔ ان کی بیش تر رُباعیوں میں اخلاق ومعرفت اور تصوّف کے مضامین ملتے ہیں۔ بہ طور نمونہ ان کی درج ذیل رُباعی دیکھیے:

آنکھیں نہ کھلیں وہ کم نگاہی نہ گئی
وہ کینہ کش و کہنہ خواہی نہ گئی
پیری نے تو بالوں کو کیا آ کے سفید
افسوس مگر دل کی سیاہی نہ گئی
(شاؔد عظیم آبادی)

دبستانِ عظیم آباد سے وابستہ شعرا میں اُردو رُباعی کے حوالے سے علامہ ظہیر احسن شوؔق نیموی کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کو بھی رُباعی گوئی کا زبردست ملکہ حاصل تھا۔ انھوں نے مذہب، اخلاق اور عشق کے موضوعات پر رُباعیاں کہی ہیں جن میں فکر و خیال کی بلندی، سلاست و روانی، زورِ بیان اور برجستگی پوری طرح موجود ہے۔ ان کی رُباعیوں میں مسلم قوم کو مخاطب کرتے ہوئے انھیں مذہب و اخلاق کی بیش قیمت اور حیات بخش تعلیمات دی گئی ہیں۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی دیکھیے:

اس گردشِ چرخ نے کیا کام تمام
غفلت میں پڑی رہتی ہے قوم اپنی مدام
اے خواب گراں کے سونے والے اُٹھو
اب نام کو رہ گیا ہے باقی اسلام
(شوؔق نیموی)

امیؔر مینائی اور پیارے صاحب رشید میاںؔ بھی اسی عہد کے شاعر ہیں لیکن ان کا تعلق دبستان لکھنؤ سے ہے۔ ان دونوں شعرا نے بھی دل چسپ رُباعیاں کہی ہیں۔ امیؔر مینائی کے یہاں نعتیہ، عشقیہ اور رثائیہ تینوں قسم کی رُباعیاں ملتی ہیں۔ ان کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے نعتیہ رُباعیوں میں بھی اکثر جگہ ادبی شان اور شاعرانہ لطافت قائم رکھی ہے۔ بہ طور مثال ان کی درج ذیل رُباعی ملاحظہ کیجیے:

اعجاز بھری آنکھوں کا جلوہ دیکھوں
یا ناز بھرا قامتِ زیبا دیکھوں
سر تا بقدم حسن میں یکتا ہے
حیراں ہوں کہ دو آنکھ سے کیا کیا دیکھوں
(امیؔر مینائی)

پیارے صاحب رشید میاںؔ کی رُباعیوں میں زبان و بیان کی انفرادیت کی شان نمایاں ہے۔ انھوں نے بڑھاپے کے موضوع پر بڑی دل کش رُباعیاں کہی ہیں۔ بہ طور نمونہ ان کی درج ذیل رُباعی ملاحظہ ہو:

ایسا بھی نہ انقلاب دیکھا ہوگا
کب میری طرح شباب دیکھا ہوگا
کہتا ہوں جو میں کہ تھی جوانی میری
پیری کہتی ہے خواب دیکھا ہوگا

(پیارے صاحب رشیدؔ میاںؔ)

اکبؔر اور حالؔی کے دیگر معاصرین مثلاً داغؔ دہلوی، ریاضؔ خیر آبادی، سروؔر جہان آبادی، نظم طباطبائؔی، چکبستؔ، شوقؔ قدوائی اور عزیزؔ لکھنوی وغیرہ نے بھی رُباعیاں کہی ہیں لیکن ان کی رُباعیوں میں کوئی قابلِ ذکر خصوصیت نظر نہیں آتی۔ آزادی سے پہلے اور پہلی جنگِ عظیم کے بعد فانیؔ، جوشؔ، امجدؔ، فراقؔ، رواںؔ، محرومؔ اور یگانؔہ وغیرہ ایسے ممتاز رُباعی نگار سامنے آئے جنھوں نے اُردو رُباعی کو بامِ عروج پر پہنچایا۔ فانیؔ کے کلیات میں تقریباً دو سو رُباعیاں ہیں۔ ان کی غزلوں کی طرح ان کی رُباعیوں میں بھی نا اُمیدی، یاس انگیزی اور حسرت نا کی ملتی ہے۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی دیکھیے:

پاکیزہ ہوا کی تازگی سے محروم
دیواروں میں بند روشنی سے محروم
ہے قابلِ رحم عورتوں کی حالت
زندہ ہیں مگر زندگی سے محروم

(فانیؔ)

اس دور کے سب سے اہم رُباعی نگار جوشؔ ملیح آبادی ہیں۔ اُردو رُباعی نگاری میں انھیں غیر معمولی حیثیت حاصل ہے۔ ان کی رُباعیوں کا ایک مجموعہ 'جنون وحکمت' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ان کی تصنیف 'سموم وصبا' میں بھی ڈھائی سو کے قریب رُباعیاں ہیں۔ فکری تسلسل، وحدتِ خیال، زورِ بیان اور شکوہِ الفاظ ان کی رُباعیوں کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ جوشِ بیان، نکتہ آفرینی، فطری رومان پسندی، فنّی پختگی، شاعرانہ مصوّری اور طنزیہ لب ولہجہ، ان تمام اوصاف نے مل کر ان کی رُباعیوں کو شگفتہ اور دل چسپ بنا دیا ہے۔ ان کی رُباعیاں حُسن وعشق سے لے کر دورِ حاضر کے جدید رجحانات ومسائل کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان کی نظموں کی طرح ان کی رُباعیوں میں بھی انقلابی لب ولہجہ، باغیانہ تیور اور پُر جوش اندازِ بیان نظر آتا ہے لیکن کہیں کہیں گہری سنجیدگی، فلسفیانہ گہرائی اور اندازِ بیان میں لطیف ٹھہراؤ بھی پایا جاتا ہے جو علّامہ اقبال کی شاعری کا وصف ہے۔ بہ طور نمونہ ان کی درج ذیل رُباعیاں ملاحظہ ہوں:

سانچے میں گھٹا کے ڈھل رہا ہے کوئی
پانی کے دھویں میں جل رہا ہے کوئی

گردوں پہ اِدھر جھوم رہے ہیں بادل
سینہ میں اُدھر مچل رہا ہے کوئی
(جوشؔ)

دُنیا میں ہیں بے شمار آنے والے
آتے ہی رہیں گے روز جانے والے
عرفانِ حیات ہو مبارک تجھ کو
اے شدّتِ غم پہ مسکرانے والے
(جوشؔ)

اس عہد کے ممتاز رُباعی نگار امجد حیدر آبادی بھی ہیں۔انھوں نے صنفِ رُباعی کو خصوصیت سے اپنایا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی خالص پہچان بھی رُباعی گو کی حیثیت سے ہے۔ان کی رُباعیوں کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔امجدؔ چوں کہ ایک صوفی، قانع، متوکل اور خدا ترس انسان تھے، اس لیے ان کی رُباعیاں حقائق و معارف، عبادتِ الٰہی، اخلاق و فلسفہ، اور تصوّف و عرفان حقیقی کے موضوعات تک محدود ہیں لیکن ان میں خشکی و بے کیفی بہت کم ہے۔ امجدؔ کو رُباعی کے فن پر غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے محدود موضوع میں بھی انھوں نے وسعت پیدا کر لی ہے۔ان کی رُباعیوں میں ایسی رندانہ سرمستی اور عارفانہ سرشاری رچ بس گئی ہے جس سے تغزّل کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔رُباعی گوئی میں امجدؔ کا اپنا منفرد انداز ہے لیکن ان کی رُباعیوں میں جوشؔ و فراقؔ کے مقابلے میں شاعرانہ حُسن اور رزور ذرا کم ہے۔مثال کے طور پر ان کی درج ذیل رُباعیاں دیکھیے:

ہر ذرّہ پہ فضلِ کبریا ہوتا ہے
اک چشم زدن میں کیا سے کیا ہوتا ہے
اصنام دہن زباں سے یہ کہتے ہیں
وہ چاہے تو پتھر بھی خدا ہوتا ہے
(امجدؔ)

بے فائدہ کب ہے جبّہ سائی اچھی
طاعت میں نہیں ہے خودنمائی اچھی
اک سجدہ میں خاک کردیا ہستی کو
حضرت تم سے دیاسلائی اچھی
(امجدؔ)

اس عہد کے تیسرے ممتاز رُباعی نگار فراقؔ گورکھپوری ہیں۔ جوشؔ اور امجدؔ کے ساتھ اُردو رُباعی کو پُر مغز اور مقبول

بنانے میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ ان کو رُباعی گوئی میں کمال حاصل تھا۔ ان کی رُباعیوں کا مجموعہ 'رُوپ' کے نام سے شائع ہوا۔ فراؔق نے اپنی جن رُباعیوں میں غیر ضروری سنسکرت الفاظ و تراکیب، بعید از قیاس استعارات و کنایات اور تشبیہات و تلمیحات کا استعمال کیا ہے، وہ بے رُوح اور بے کیف معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس جہاں انھوں نے ایسا نہیں کیا ہے، وہاں وہ غیر معمولی طور پر کام یاب ہوئے ہیں۔ ان کی عشقیہ رُباعیاں انتہائی دل چسپ ہیں جن میں انھوں نے فطرت کے پیکرِ سادہ سے حسن پُرکار کے رنگا رنگ پہلو پیدا کیے ہیں۔ انھوں نے محبوب کے خد و خال کی ایسی مرقع کشی کی ہے کہ اس کے مجسّم کو سامنے لا کھڑا کر دیا ہے اور رُباعی نگاری میں مصوّری کی سی شان پیدا کر دی ہے۔ فراؔق نے اپنی رُباعیوں میں محبوب کے زلف، لب، رخسار، قد، آنکھ اور چال کے ذکر میں تکرار سے کام لیا ہے لیکن نئی تشبیہوں کے استعمال اور تخیل کی گل کاریوں کی مدد سے انھوں نے ان میں ایسی جان ڈال دی ہے کہ اس میں ایک طرح کے تنوّع کا احساس ہوتا ہے۔ فراؔق نے اپنی رُباعیوں میں ہندوستانی مزاج و ماحول کی دل کش ترجمانی کی ہے۔ ہندوستانی تہذیب کے خد و خال ان کی رُباعیوں میں واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ بہ طور نمونہ ان کی درج ذیل رُباعی ملاحظہ ہو:

وہ نکھرے بدن کا مسکرانا ہے ہے
اس کے جوبن کا گنگنانا ہے ہے
کانوں کی لوؤں کا تھرتھرانا کم کم
چہرے کے تِل کا جگمگانا ہے ہے
(فراؔق)

اس عہد کی رُباعی گوئی میں جگت موہن لال رواںؔ کا نام بھی ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ انھوں نے تقریباً پونے دو سو رُباعیاں کہی ہیں۔ فلسفہ اور وطنی، سیاسی اور قومی تصوّرات ان کی رُباعیوں کے موضوعات ہیں۔ زبان کی صفائی، لفظی صنّاعی اور فنّی پابندیوں کا قوی احساس ان کی رُباعیوں میں پوری طرح موجود ہے۔ ان کی ایک رُباعی دیکھیے:

حرص و ہوسِ حیاتِ فانی نہ گئی
اس دل سے ہوائے کام رانی نہ گئی
ہے سنگِ مزار پر تیرا نام رواںؔ
مرکر بھی اُمید زندگانی نہ گئی
(جگت موہن لال رواںؔ)

تلوک چند محرومؔ کا نام بھی رُباعی نگار کی حیثیت سے خاصا اہم ہے۔ انھوں نے سوا دو سو کے قریب رُباعیاں کہی ہیں جن میں مضمون کا تنوّع ہے۔ فنّی پختگی، زبان کی صفائی، خیال کی پاکیزگی، بیان کی روانی، انسانی جذبات کی

ترجمانی، اخلاقی تلقین، مظاہرِ فطرت کی تصویرکشی اور وطنی وقومی رجحانات کی عکّاسی ان کی رُباعیوں کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ انھوں نے اپنی رُباعیوں میں حمد ونعت، اخلاق اور پند ونصائح کے علاوہ جدید طرزِ تعلیم، تعلیمِ نسواں اور عورتوں کی بے پردگی و بے باکی کو طنز کا نشانہ بنایا ہے لیکن ان کی رُباعیوں میں اکبؔر کی رُباعیوں کی سی شگفتگی اور خوش مزاجی نہیں ہے۔ ان کی رُباعیوں میں مصلحانہ انداز غالب ہے۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی ملاحظہ کیجیے:

دُنیا نے عجب رنگ جما رکھا ہے
ہر ایک کو غلام اپنا بنا رکھا ہے
پھر لطف یہ ہے کہ جس سے پوچھو وہ کہے
اس عالم آب و گل میں کیا رکھا ہے
(تلوک چند محرؔوم)

یگاؔنہ کو بھی رُباعی گوئی کا خاص ملکہ تھا۔ ان کے مجموعۂ کلام 'گنجینہ' میں ایک سو تہتر رُباعیاں ہیں۔ ان کی تقریباً تمام رُباعیاں عشقیہ ہیں۔ بعض رُباعیوں میں قومیت، وطنیت، سیاست اور دوسرے رجحانات بھی نظر آتے ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں ان کے اسلوب کی تندی و تیزی، کڑک گرج اور زور و اثر کے ساتھ زندگی کی ہمہ گیری و توانائی بھی ملتی ہے۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی ملاحظہ ہو:

موجوں سے لپٹ کے پار اُترنے والے
طوفان بلا سے کب ہیں ڈرنے والے
کچھ بس نہ چلا تو جان پر کھیل گئے
کیا چال چلے ہیں ڈوب مرنے والے
(یگاؔنہ)

سیماؔب اکبرآبادی بھی اُردو کے نمائندہ رُباعی گو شاعر ہیں۔ ان کی رُباعیوں کے مجموعے 'عالمِ آشوب' میں تقریباً پانچ سو رُباعیاں ہیں۔ ان کی تمام رُباعیاں دوسری عالم گیر جنگ سے متعلق ہیں جن میں عموماً نازیوں کے ظلم واستبداد کا ذکر ملتا ہے۔ انھوں نے اپنی اکثر رُباعیوں میں تاریخی واقعات اور عام سیاسی اور قومی مسائل کو بڑی خوب صورتی سے نظم کیا ہے۔ ان کی رُباعیوں میں صحافتی رنگ کے باوجود شاعرانہ حُسن موجود ہے۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی دیکھیے:

مرنا جینا ہو ملک و ملّت کے لیے
لازم ہے یہ وصف آدمیّت کے لیے
ان سب پہ میرا سلام پہنچے تا حشر
جو لوگ فنا ہوئے محبّت کے لیے
(سیماؔب)

اُردو رُباعی میں عبدالباری آسی کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ انھوں نے تقریباً چھے سو رُباعیاں کہی ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں قادرالکلامی اورفنّی پختگی ضرور ہے لیکن انفرادی حُسن ودل کشی نہیں ہے۔ ذیل میں ان کی ایک رُباعی ملاحظہ ہو:

جھگڑا ہی مروّت کا نہ پالا ہم نے
احباب پہ بار اپنا نہ ڈالا ہم نے
درماندگی و افتادگی میں آسی
سائے کی طرح خود کو سنبھالا ہم نے
(عبدالباری آسی)

جعفر علی خاں اثر لکھنوی نے بھی 'لالہ وگل' کے نام سے رُباعیوں کا ایک مجموعہ یادگار چھوڑا ہے۔ انھوں نے عشق، فلسفہ، تصوف اور اخلاق وغیرہ جیسے موضوعات پر رُباعیاں کہی ہیں۔ ان کی ایک رُباعی ملاحظہ کیجیے:

لطف و کرم جوروستم بھول گئے
عیش و طرب رنج و الم بھول گئے
اس عشق نے بے گانہ کیا سب سے اثر
ایک خواب تھا جو دیکھ کے ہم بھول گئے
(اثر لکھنوی)

مذکورہ شعرا کے علاوہ اخگر مرادآبادی، رگھویندر راؤ جذب عالم پوری، رشید لکھنوی، علامہ اقبال، اختر شیرانی، آرزو لکھنوی، وحشت رضا علی کلکتوی، خواجہ دل محمد، پرویز شاہدی، ساغر نظامی، اثر صہبائی، شمیم کرہانی، منیر شکوہ آبادی، مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد، ڈاکٹر آر آر سکسینہ، صفیہ شمیم، نریش کمار شاد، اختر انصاری، وحشی کانپوری، ثنا گورکھپوری، پنڈت جواہر ناتھ ساقی، عبدالرحمٰن احسان دہلوی، شوکت پردیسی، سلیمان اریب، ناوک حمزہ پوری، قتیل شفائی، صہبا اختر، عبدالعزیز خالد، باقر مہدی، صادقین، امیر چند بہار، سید محمود الغفار، غلام مولیٰ قلق، بیان میرٹھی، فرحت کانپوری، منظور حسین شور، شمس الرحمٰن فاروقی، اکبر حیدرآبادی، نذیر بنارسی، شیدا انبالوی، قاسم علی خاں آفریدی، کندن لال کندن، جمال اویسی اور علقمہ شبلی وغیرہ کے نام اُردو رُباعی گوئی کے حوالے سے قابلِ ذکر ہیں۔ اُردو رُباعی کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو شاعری کے آغاز سے ہی اس صنف کی اہمیت وافادیت مسلّم رہی ہے اور ہر دور میں اُردو شعرا کے یہاں یہ محبوب صنف رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد کے تقریباً تمام شاعروں نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے تاہم یہ بھی امر واقعہ ہے کہ فراق گورکھپوری اور امجد حیدرآبادی کے بعد کوئی بلند پایہ رُباعی گو شاعر نظر نہیں آتا۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اُردو رُباعی کا سنہرا دور میر تقی میر کے عہد سے لے کر بیسویں صدی کی چھٹی ساتویں دہائی تک ہے۔ اس کے بعد بھی شعرا نے رُباعیاں کہی ہیں اور کچھ شعرا کی رُباعیاں منفرد خصوصیات کی بھی حامل ہیں لیکن ان میں وہ فکری وفنّی پختگی نظر نہیں آتی جو پہلے کی رُباعیوں کا طرّہ

امتیاز ہے۔اب فنّی اعتبار سے بلند پایہ رُباعیاں بھلے ہی نہیں کہی جارہی ہوں لیکن رُباعی اتنی مقبول، دل چسپ اوراہم شعری صنف ہے کہ آج بھی شعرااس صنف میں طبع آزمائی کررہے ہیں اوراس کا سفر جاری وساری ہے۔

27.3.4 ماحصل

’رُباعی‘ عربی لفظ ’ربع‘ سے مشتق ہے۔’ربع‘ کے لغوی معنی چار اور ’رُباعی‘ کے لغوی معنی چار والا کے ہیں۔ اصطلاح میں ’رُباعی‘ اس مختصر نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر چار مصرعوں میں اپنی بات مکمل کرلیتا ہے یعنی رُباعی چار مصرعوں یا دو بیتوں پر مشتمل ایک مکمل اکائی ہوتی ہے۔رُباعی کا موجد فارسی کے مشہور شاعر رودکی کو مانا جاتا ہے۔ اُردو کے پہلے رُباعی گو شاعر محمد قلی قطب شاہ ہیں۔محمد قلی قطب شاہ کے بعد ان ہی کے ہم عصر ملا وجہی کے یہاں بھی رُباعیوں کے نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ان کے بعد دکن میں جن شعرا نے رُباعیاں لکھیں، ان میں غواصی، علی عادل شاہ ثانی شاہی، نصرتی، فیروز، میراں جی خدانما، منشی، میراں یعقوب، گوہری، بابا شاہ حسینی، جانم ثانی، پیر باشا حسینی، ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی، عبدالقادر حیدرآبادی، پروانہ، شاہ عظیم، شہ میر، عزلت، مفتون، عشق، آزاد، عبرت، تمنا، آگاہ اور شاہ کمال وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ان کے علاوہ انیسویں صدی سے لے کر دورِ جدید تک دکن میں جن شعرا نے رُباعیاں کہیں اور اسے ترقی دی، ان میں میر محبوب علی خاں، میر کاظم علی برق، آزاد توکلی، مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد، جلیل مانک پوری، محمد باقر آگاہ، رائے منوہر لال، تسلیم گلشن آبادی، رگھونندن سکسینہ، جلال الدین توفیق، مرزا حبیب علی، عبدالقدیر حسرت، محمد بہادر خاں، امجد حیدرآبادی، رشید انصاری، میر مہدی علی صفی اورنگ آبادی، محمد اسمٰعیل، جذب عالم پوری، عطا کلیانوی، میر ثامن علی نسیاں اور صاحب حیدرآبادی وغیرہ کے نام سرِفہرست ہیں۔شمالی ہند کے پہلے رُباعی گو شاعر حاتم ہیں۔ان کے بعد قائم چاند پوری کے یہاں بھی رُباعیاں ملتی ہیں۔شمالی ہند میں رُباعی گوئی کے لحاظ سے خواجہ میر درد، میر سوز، سودا، میر حسن اور میر تقی میر کا دور بہت اہم مانا جاتا ہے۔حسرت دہلوی، غمگیں دہلوی، مصحفی، راسخ، وحشت، عبدالحی تاباں، احسن اللہ خاں بیان، اشرف علی فغاں، تسلیم، اسیر اور عزیز بھکاری وغیرہ نے بھی دل چسپ رُباعیاں کہی ہیں۔لکھنوی شعرا میں انشاء اللہ خاں انشا، سعادت یار خاں رنگین اور امام بخش ناسخ وغیرہ نے کم رُباعیاں کہی ہیں اور اس میں وہ اپنی کوئی مخصوص پہچان بھی نہیں بنا سکے ہیں۔البتہ اس عہد کے لکھنوی شعرا میں صرف جرأت ایک ممتاز رُباعی نگار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔نظیر اکبرآبادی کا نام بھی رُباعی گوئی میں قابلِ ذکر ہے۔شمالی ہند میں رُباعی گوئی کے لحاظ سے مومن و غالب کا دور بھی بڑا اہم مانا جاتا ہے۔اس عہد میں جہاں دہلی میں غالب، بہادر شاہ ظفر، ذوق اور مومن نے صنفِ رُباعی کو فکری وفنی بلندی عطا کی، وہیں لکھنؤ میں میر انیس اور مرزا دبیر نے اسے ترقی کی نئی راہ پر گامزن کیا اور بام عروج پر پہنچایا۔انیس و دبیر کے فوراً بعد حالی، اکبر، اسمٰعیل میرٹھی، میر مہدی مجروح، شاد عظیم آبادی، شوق رضا نیموی، امیر مینائی اور پیارے صاحب رشید میاں جیسے ممتاز رُباعی نگار سامنے آئے۔اکبر اور حالی کے دیگر معاصرین مثلاً داغ دہلوی، ریاض خیرآبادی، سرور جہان آبادی، نظم طباطبائی، چکبست، شوق قدوائی اور عزیز لکھنوی وغیرہ نے بھی رُباعیاں کہی ہیں لیکن ان کی رُباعیوں میں کوئی قابلِ ذکر

خصوصیت نظر نہیں آتی۔ آزادی سے پہلے اور پہلی جنگِ عظیم کے بعد فانؔی، جوشؔ، امجدؔ، فراقؔ، رواںؔ، محرومؔ اور یگانؔہ وغیرہ ایسے ممتاز رُباعی نگار سامنے آئے جنھوں نے اُردو رُباعی کو بامِ عروج پر پہنچایا۔ سیمابؔ اکبر آبادی، عبدالباری آسیؔ اور اثرؔ لکھنوی کا نام بھی رُباعی نگاری میں اہمیت کا حامل ہے۔ مذکورہ شعرا کے علاوہ اخگر مرادآبادی، رگھویندر راؤ جذبؔ عالم پوری، رشیدؔ لکھنوی، علامہ اقبالؔ، اخترؔ شیرانی، آرزوؔ لکھنوی، وحشتؔ رضا علی کلکتوی، خواجہ دل محمد، پرویزؔ شاہدی، ساغرؔ نظامی، اثرؔ صہبائی، شمیمؔ کرہانی، منیرؔ شکوہ آبادی، مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ، ڈاکٹر آرآر سکسینہ، صفیہ شمیم، نریش کمار شادؔ، اخترؔ انصاری، وحشیؔ کانپوری، ثناؔ گورکھپوری، پنڈت جواہر ناتھ ساقیؔ، عبدالرحمٰن احسان دہلوی، شوکتؔ پردیسی، سلیمان اریبؔ، ناوکؔ حمزہ پوری، قتیلؔ شفائی، صہبا اختر، عبدالعزیز خالد، باقر مہدی، صادقین، امیر چند بہارؔ، سید محمود الغفار، غلام مولیٰ قلق، بیانؔ میرٹھی، فرحتؔ کانپوری، منظور حسین شور، شمس الرحمٰن فاروقی، اکبر حیدر آبادی، نذیرؔ بنارسی، شیدؔا انبالوی، قاسم علی خاں آفریدیؔ، کندن لال کندنؔ، جمال اویسی اور علقمہ شبلی وغیرہ کے نام اُردو رُباعی گوئی کے حوالے سے قابلِ ذکر ہیں۔ اُردو شاعری کے آغاز سے ہی رُباعی کی اہمیت وافادیت مسلّم رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد کے تقریباً تمام شاعروں نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے تاہم یہ بھی امر واقعہ ہے کہ فراقؔ گورکھپوری اور امجدؔ حیدرآبادی کے بعد کوئی بلند پایہ رُباعی گو شاعر نظر نہیں آتا۔ اب فنّی اعتبار سے بلند پایہ رُباعیاں بھلے ہی نہیں کہی جارہی ہوں لیکن رُباعی اتنی مقبول، دل چسپ اور اہم شعری صنف ہے کہ آج بھی شعرا اس صنف میں طبع آزمائی کررہے ہیں اور اس کا سفر جاری وساری ہے۔

27.4 آپ نے کیا سیکھا؟

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے:

- رُباعی کے فن اور اس کے ابتدائی نقوش کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔
- دکن میں اُردو رُباعی کے آغاز وارتقا سے بحث کی۔
- دکن کے نمائندہ رُباعی گو شعرا سے آگہی حاصل کی اور ان کی رُباعیوں کی خصوصیات وامتیازات کو سمجھا۔
- شمالی ہند میں اُردو رُباعی کے آغاز وارتقا سے واقفیت حاصل کی۔
- شمالی ہند کے نمائندہ رُباعی گو شعرا سے آگہی حاصل کی اور ان کی رُباعیوں کی خصوصیات وامتیازات کو سمجھا۔

27.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ اُردو کے پہلے رُباعی گو شاعر کون ہیں؟

۲۔ محمد قلی قطب شاہ کی رُباعی نگاری سے بحث کیجیے۔

۳۔ دکن کے رُباعی گو شعرا کے نام بتایئے۔

۴۔ شمالی ہند کا پہلا رُباعی گو شاعر کسے تسلیم کیا جاتا ہے؟

۵۔ فراقؔ کی رُباعی نگاری پر مختصراً اظہارِ خیال کیجیے۔

27.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ اُردو کے پہلے رُباعی گو شاعر کون ہیں؟ اس سلسلے میں مختلف آرا ملتی ہیں۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ کا خیال ہے کہ فیروز، محمود اور ملا خیالی کا کلام تلف ہو گیا۔ ممکن ہے کہ ان شاعروں نے رُباعیاں بھی کہی ہوں لیکن مواد کی عدم دستیابی کی وجہ سے ان میں سے کسی کے سر اولیت کا سہرا باندھنا مناسب نہیں ہے۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر نے اپنی تصنیف میں اسٹیٹ لائبریری، حیدرآباد کی ایک بیاض کے حوالے سے حضرت خواجہ بندہ نواز کی ایک رُباعی کی نشان دہی کی ہے لیکن ڈاکٹر سلام سندیلوی کے مطابق اُردو کا پہلا رُباعی گو شاعر محمد قلی قطب شاہ کو مانا جاتا ہے کیوں کہ رُباعی کے اولین نمونے سب سے پہلے ان ہی کے کلیات میں ملتے ہیں۔ اس رائے کو بیش تر محققین نے تسلیم کیا ہے۔ اس لیے اُردو کے پہلے رُباعی گو شاعر محمد قلی قطب شاہ ہی قرار پاتے ہیں۔

۲۔ محمد قلی قطب شاہ کی رُباعیوں کے موضوعات میں رنگارنگی اور تنوع ہے۔ وہ فطری طور پر حسن و عشق اور عیش پسندی کے دل دادہ تھے۔ اس طرح ان کی زندگی اور غزلیہ شاعری میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں، وہی ان کی رُباعیوں میں بھی ملتی ہیں۔ ان کی رُباعیاں سرور، مستی اور کیف سے پُر ہیں۔ ان کی بعض رُباعیوں میں معاملاتِ حسن و عشق، بعض رُباعیوں میں شراب اور کچھ رُباعیوں میں اخلاقی نکات موضوع بنائے گئے ہیں۔ انھوں نے اپنی چند رُباعیوں میں حمد، نعت اور منقبت بھی پیش کیے ہیں۔ ان کے علاوہ تصوف اور دنیا کی بے ثباتی وغیرہ پر بھی ان کے یہاں رُباعیاں ملتی ہیں لیکن ان کی وہی رُباعیاں دل کش معلوم ہوتی ہیں جن میں انھوں نے حسن و عشق کے معاملات کو نظم کیا ہے۔ قلی قطب شاہ کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اُردو رُباعی کو پند و موعظت اور اخلاقی مضامین کے ساتھ ساتھ اسے عشقیہ جذبات کے اظہار کا وسیلہ بنایا اور اس طرح اس کے دامن کو ابتدا سے ہی وسعت دی۔ ان کی کچھ رُباعیوں میں ناہمواری کی صورت بھی پائی جاتی ہے۔ البتہ ان کی کچھ رُباعیاں سلاست و روانی کی خصوصیت کے باعث توجہ کی مستحق ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی یہ رُباعی ملاحظہ کیجیے:

تجھ حسن سے تازہ ہے سدا حسن و جمال
تجھ یار کی بستی سے ہے عشق کوں جمال
تو ایک ہے تجھ سا نہیں دوجا کوئی
کیوں پاوے جگت صفحہ میں کوئی تیری مثال

(قلی قطب شاہ)

۳۔ قلی قطب شاہ، غواصیؔ، نصرتیؔ، ولیؔ دکنی، سراجؔ اورنگ آبادی اور عبدالقادر حیدر آبادی دکن کے نمائندہ رُباعی گوشعرا ہیں۔ ان کے علاوہ دکن کے قدیم رُباعی گوشعرا میں ملّا وجہیؔ، علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ، فیروز، میراں جی خدانما، منشی، میراں یعقوب، گوہری، بابا شاہ حسینیؔ، جانم ثانی، پیر باشا حسینی، پروانہ، شاہ عظیم، شہ میر، عزلتؔ، مفتونؔ، عشقؔ، آزادؔ، عبرتؔ، تمناؔ، آگاہ اور شاہ کمال وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ بعد کے دور میں یعنی انیسویں صدی سے لے کر دورِ جدید تک دکن میں جن شعرا نے رُباعیاں کہیں اور اسے ترقی دی، ان میں میر محبوب علی خاں، میر کاظم علی برقؔ، آزاد توکلی، مہاراجہ سر کشن پرشاد شادؔ، جلیلؔ مانک پوری، محمد باقر آگاہ، راے منوہر لال، تسلیم گلشن آبادی، رگھونندن سکسینہ، جلال الدین توفیقؔ، مرزا حبیب علی، عبدالقدیر حسرتؔ، محمد بہادر خاں، امجدؔ حیدر آبادی، رشیدؔ انصاری، میر مہدی علی، صفیؔ اورنگ آبادی، محمد اسمٰعیل، جذبؔ عالم پوری، عطا کلیانوی، میر ثامن علی نسیاںؔ اور صاحبؔ حیدر آبادی وغیرہ کے نام سرِ فہرست ہیں۔

۴۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کے مطابق فائزؔ شمالی ہند کے پہلے شاعر ہیں لیکن ان کے کلام میں رُباعیاں موجود نہیں ہیں۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ نے 'سرگزشت حاتمؔ' میں حاتمؔ کی دو رُباعیوں کی نشان دہی کی ہے۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی کا خیال ہے کہ حاتمؔ نے ۱۷۳۲ء سے قبل اپنی رُباعیاں کہی ہیں۔ اسی لیے حاتمؔ شمالی ہند میں اُردو کے پہلے رُباعی گو شاعر قرار پاتے ہیں۔

۵۔ فراقؔ اُردو کے ممتاز رُباعی نگار ہیں۔ ان کو رُباعی گوئی میں کمال حاصل تھا۔ ان کی رُباعیوں کا مجموعہ 'رُوپ' کے نام سے شائع ہوا۔ فراقؔ نے اپنی جن رُباعیوں میں غیر ضروری سنسکرت الفاظ وتراکیب، بعید از قیاس استعارات وکنایات اور تشبیہات وتلمیحات کا استعمال کیا ہے، وہ بے رُوح اور بے کیف معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس جہاں انھوں نے ایسا نہیں کیا ہے، وہاں وہ غیر معمولی طور پر کام یاب ہوئے ہیں۔ ان کی عشقیہ رُباعیاں انتہائی دل چسپ ہیں جن میں انھوں نے فطرت کے پیکرِ سادہ سے حسن پُر کار کے رنگارنگ پہلو پیدا کیے ہیں۔ انھوں نے اپنی رُباعیوں میں محبوب کے زلف، لب، رخسار، قد، آنکھ اور چال کے ذکر میں تکرار سے کام لیا ہے لیکن نئی تشبیہوں کے استعمال اور تخیل کی گل کاریوں کی مدد سے انھوں نے ان میں ایسی جان ڈال دی ہے کہ اس میں ایک طرح کے تنوّع کا احساس ہوتا ہے۔ فراقؔ نے اپنی رُباعیوں میں ہندوستانی مزاج وماحول کی دل کش ترجمانی کی ہے۔

27.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معانی)
جوبن	:	حُسن، خوب صورتی، چڑھتی جوانی
درماندگی	:	مجبوری، عاجزی، تکلیف، مصیبت

افتادگی	:	عاجزی، تنگ دستی، افلاس
جبہ سائی	:	منت سماجت، سجدہ کرنا، پیشانی رگڑنا
کُہنہ	:	پُرانا، سال خوردہ
گردش چرخ	:	آسمان کی گردش
کینہ کش	:	دشمنی رکھنے والا
بخشندہ	:	معاف کرنے والا
وصلت	:	میل جول، معشوق سے ملنا، معرفت الٰہی
طُرفہ تَر	:	بہت زیادہ عجیب، انوکھا
عرق فشاں	:	پسینہ ٹپکانے والا، سخت محنت
چاہ	:	کنواں
خروشاں	:	شور مچاتا ہوا، گریہ و ماتم کناں
خوں نابہ	:	خون کے آنسو
پشم	:	اون، بال، ادنیٰ، بے حقیقت
دُوجا	:	دوسرا، دوم، ثانی
جگَت	:	دنیا، جہان

27.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔	اُردو رُباعیات	:	ڈاکٹر سلام سندیلوی
۲۔	اُردو رُباعی (فنی وتاریخی ارتقا)	:	ڈاکٹر فرمان فتح پوری
۳۔	رُباعی ایک عروضی مطالعہ	:	پروفیسر عظیم الرحمٰن
۴۔	تنقید رُباعی	:	ڈاکٹر فریدؔ پربتی
۵۔	مقدّمہ صنفِ رُباعی	:	ڈاکٹر فریدؔ پربتی

اکائی 28 محمد مومن خاں مومؔن: حیات اور رُباعی نگاری

ساخت

28.1 اغراض ومقاصد

28.2 تمہید

28.3 محمد مومن خاں مومؔن: حیات اور رُباعی نگاری

28.3.1 محمد مومن خاں مومؔن کے سوانحی احوال وکوائف

28.3.2 محمد مومن خاں مومؔن کی رُباعی نگاری

28.3.3 ماحصل

28.4 آپ نے کیا سیکھا؟

28.5 اپنا امتحان خود لیجیے

28.6 سوالوں کے جوابات

28.7 فرہنگ

28.8 کتب برائے مطالعہ

28.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ:

- محمد مومن خاں مومؔن کے سوانحی احوال وکوائف سے واقف ہوں گے۔
- محمد مومن خاں مومؔن کی رُباعی نگاری سے بحث کریں گے۔
- محمد مومن خاں مومؔن کی رُباعیوں کے موضوعات سے واقفیت حاصل کریں گے۔
- محمد مومن خاں مومؔن کی رُباعی نگاری کی خصوصیات وامتیازات سے آگاہ ہوں گے۔
- اُردو رُباعی نگاری میں محمد مومن خاں مومؔن کے مقام ومرتبے کو سمجھیں گے۔

28.2 تمہید

عزیز طلبا! گذشتہ اکائیوں میں آپ رُباعی کے فن، اس کی صنفی خصوصیات، اس میں بیان ہونے والے

موضوعات، اس کے آغاز وارتقا، اس کی روایت اور نمائندہ رُباعی گوشعرا سے واقف ہوئے۔ آپ نے رُباعی اور قطعہ کے مابین فرق اور رُباعی کی انفرادیت کو بھی سمجھا۔ اب اس اکائی میں آپ محمد مومن خاں مومنؔ کے سوانحی احوال وکوائف سے واقف ہوں گے، ان کی رُباعی نگاری سے بحث کریں گے، ان کی رُباعیوں کے موضوعات اور ان کی رُباعی نگاری کی خصوصیات وامتیازات سے آگاہ ہوں گے۔ ساتھ ہی اُردو رُباعی نگاری میں ان کے مقام ومرتبے کو سمجھیں گے۔

28.3 محمد مومن خاں مومنؔ: حیات اور رُباعی نگاری

28.3.1 محمد مومن خاں مومنؔ کے سوانحی احوال وکوائف

مومن خاں مومن کا اصل نام 'محمد مومن' اور تخلص 'مومنؔ' تھا۔ ایک کشمیری گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ والد کا نام 'غلام نبی خاں' تھا۔ مومنؔ ۱۲۱۵ھ بمطابق ۱۸۰۰ء کو کوچہ چیلان، دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ شاہ صاحب نے ہی مومن خاں نام رکھا تھا۔ اہلِ خانہ کو یہ نام پسند نہیں تھا۔ اسی لیے انھوں نے ان کا نام 'حبیب اللہ' رکھنا چاہا لیکن آپ شاہ صاحب کے ہی دیے ہوئے نام یعنی مومن خاں مومنؔ کے نام سے ادبی دنیا میں مشہور ہوئے۔ مومنؔ کے دادا کا نام 'حکیم مدار خاں' تھا جو شاہ عالم کے زمانے میں دہلی آئے تھے جنھیں شاہی طبیبوں میں شامل کیے جانے کے عوض بادشاہ کی جانب سے ایک جاگیر تفویض ہوئی تھی۔ یہ جاگیر نواب فیض خان کے ذریعے ضبط کر کے ایک ہزار روپے سالانہ پنشن ان کے لیے مقرر کر دی گئی تھی۔ اس پنشن کا سلسلہ ان کے خاندان میں جاری رہا۔ مومنؔ کا گھرانا مذہب کا پابند تھا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر اور عربی تعلیم شاہ عبدالقادر دہلوی سے حاصل کی۔ وہ بچپن سے انتہائی ذہین تھے۔ حافظہ بھی کمال کا پایا تھا۔ چنانچہ عربی اور فارسی میں انھوں نے بہت جلد مہارت حاصل کر لی۔ دنیوی علوم کی تعلیم انھوں نے مکتب میں حاصل کی۔ اس کے بعد وہ طب اور نجوم کی طرف راغب ہوئے کیوں کہ ان کے والد حکیم غلام حسن خاں بھی ماہر طبیب تھے۔ چنانچہ مومنؔ بھی چند برسوں میں ہی طب میں مہارت حاصل کر کے والد کے ساتھ مطب میں بیٹھنے اور نسخہ نویسی کا ہنر سیکھنے لگے۔ نجوم سے انھیں اس قدر دلچسپی پیدا ہوئی کہ وہ دلی کے ماہر نجومی کے طور پر مشہور ہوئے۔ طب اور نجوم کے علاوہ رمل، ریاضی، شطرنج اور موسیقی جیسے علوم سے بھی انھیں بے پناہ دلچسپی تھی۔ آغازِ جوانی سے انھوں نے شاعری شروع کر دی تھی۔ انھوں نے اپنی پہلی مثنوی 'شکایت ستم' ۱۲ برس کی عمر میں لکھی۔ شاعری میں کچھ دنوں انھوں نے شاہ نصیرؔ سے اصلاح لی لیکن جلد ہی مشق ومہارت سے وہ دہلی کے شاعروں میں اپنی خاص جگہ بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ معاشی اعتبار سے مومنؔ کا تعلق متوسط طبقہ سے تھا۔ ان کی پہلی شادی ۱۸۲۳ء میں ایک زمین دار خاندان میں ہوئی تھی جو ناکام رہی۔ ان کی دوسری شادی خواجہ میر دردؔ کے نواسے محمد نصیر کی بیٹی انجمن النسا بیگم سے ہوئی۔ ان کی صرف دو اولادیں بقیدِ حیات رہیں۔ ایک لڑکا

احمد نصیر خاں اور ایک بیٹی محمدی بیگم۔ آگے چل کر ان ہی سے خاندان کا سلسلہ چلا۔ مومنؔ نہایت غیرت مند، خوددار، شریف النفس، آزادمزاج، قانع اور وطن پرست انسان تھے۔ امرا اور رؤسا کی خوشامد سے وہ سخت نفرت کرتے تھے۔ دلی سے مومنؔ کو پانچ مرتبہ باہر نکلنا پڑا لیکن وطن کی محبت انھیں ہر بار اپنی طرف کھینچ لائی۔ مومن خاں مومنؔ کی زندگی اور شاعری پر دو چیزوں کا گہرا اثر رہا۔ ایک ان کی رومانیت، دوسری ان کی مذہبیت۔ ان کی زندگی کا سب سے دل چسپ حصہ ان کے معاشقے میں مضمر ہے۔ محبت زندگی کا شدید تقاضہ بن کر ان کے دل و دماغ پر طاری رہی۔ ان کی شاعری کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی خیالی نہیں بلکہ ایک جیتی جاگتی محبوبہ کے عشق میں گرفتار ہیں۔ مومن خاں مومنؔ اُردو غزل گوئی میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے نازک خیالی اور معاملہ بندی سے اُردو غزل کو ایک الگ شان عطا کی۔ ان کے اشعار زبان زد خاص و عام ہیں۔ مثلاً:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومنؔ
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

مومنؔ کی مثنویاں بھی موضوعات کے اعتبار سے منفرد مقام رکھتی ہیں۔ ان کی مثنویوں 'قول غمیں' اور 'جہادیہ' میں حب الوطنی کا جذبہ پورے شباب پر ہے۔ مومنؔ نے قصیدہ خوانی کو شعار نہیں بنایا اور نہ کسی کی ہجو لکھی بلکہ اس سے جہاں تک ہوسکا گریز کیا۔ اسی لیے ان کے دیوان میں محض دو قصیدے ہیں۔ ایک مہاراجہ اجیت سنگھ کی مدح میں جن سے وہ ملنے گئے تو انھوں نے ہاتھی انعام کے طور پر دیا جس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھوں نے ایک قصیدہ لکھا اور دوسرا جب نواب ٹونک وزیرالدولہ نے بلاوا بھیجا تو نہیں جانے کی معذرت کے طور پر انھیں قصیدہ لکھ کر بھیجا۔ عہدِ مومن کو اُردو شاعری کا نشاۃ الثانیہ کہا جاتا ہے۔ دراصل اس صدی میں غالبؔ و مومنؔ نے اُردو شاعری کے ایسے چراغ روشن کیے جو مستقبل میں آنے والی کئی دہائیوں کے لیے رہنمائی کا کام کرتے رہے۔ نیاز فتح پوری لکھتے ہیں کہ ''اگر میرے سامنے اُردو کے تمام شعرائے متقدمین کا کلام رکھ کر (بہ استثنائے میرؔ) مجھ کو صرف ایک دیوان رکھنے کی اجازت دی جائے تو میں بلا تامل کہہ دوں گا کہ مجھے کلیات مومنؔ دے دو اور باقی سب اٹھالے جاؤ''۔ مومنؔ نے قصیدہ، رُباعی، واسوخت، غزل اور مثنوی وغیرہ اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔ مومنؔ کے اُردو دیوان (مرتبہ شیفتہؔ) کے پہلے ایڈیشن کو ۱۸۴۶ء میں مولوی کریم الدین پانی پتی نے دہلی سے شائع کیا اور پہلی بار مکمل صورت میں منشی نول کشور نے شائع کیا۔ بعد میں 'دیوان مومنؔ' (اُردو) اور 'قصائد مومنؔ' کو پروفیسر ضیاء الدین بدایونی نے بھی شائع کیا۔ 'دیوانِ مومنؔ' فارسی کو حکیم احسن خان نے اور 'انشائے مومن خان' فارسی کو حکیم احسن اللہ خان نے مرتب کیا۔ اُردو و فارسی دیوان اور انشائے فارسی کے علاوہ چھے مثنویاں بھی مومنؔ

کی یادگار ہیں۔ مومنؔ ایک مرتبہ اپنی چھت پر مرمت کی نگرانی کر رہے تھے کہ پھسل کر گر پڑے جس کے نتیجے میں شدید چوٹ آئی اور بے ہوش ہوگئے۔ ہوش میں آنے کے بعد اپنی زندگی ہی میں انھوں نے ’بہ شکست دست و بازو‘ کہہ کر اپنی وفات کی پیشین گوئی کردی تھی۔ ان کی پیشین گوئی کے مطابق ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۴مئی ۱۸۵۱ء کو ان کی رحلت ہوئی اور اُردو شاعری کا ایک روشن ستارہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

28.3.2 محمد مومن خاں مومنؔ کی رُباعی نگاری

مومن خاں مومنؔ بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہیں۔ غزل گوئی میں وہ بلند مقام و مرتبہ کے مالک ہیں۔ انھوں نے رُباعیاں بھی کہی ہیں لیکن ان کی رُباعیاں ان کی غزلوں سے کم تر معلوم ہوتی ہیں تاہم اُردو رُباعی نگاری میں ان کی رُباعیاں بھی قدر و قیمت کی حامل ہیں۔ ان کی رُباعیوں کی کل تعداد ۱۳۱ ہے جس میں موضوعات کا تنوع ہے اور تخیل کی بلندی بھی۔ مومنؔ کی شاعری کا خاص عنصر عشق و محبت ہے اور یہی ان کی رُباعیوں کا خاص موضوع بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زیادہ تر رُباعیاں عشق و محبت کے مضامین و مسائل سے معمور ہیں۔ غزلوں کی طرح وہ اپنی رُباعیوں میں بھی وفا، وصال، بے وفائی اور جور و ستم جیسے مضامین کو نئے نئے طریقے سے باندھتے ہیں۔ وہ اپنی رُباعیوں میں قسمت اور قدرت کے انصاف کو یقینی مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حکیم چاہے کتنا بھی بہتر علاج کرے، اگر خدا نہ چاہے تو شفا ناممکن ہے۔ اسی طرح سفر کعبہ بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خدا نہ چاہے۔

تھا ہم سے بھی ربط بے وفا یا کہ نہ تھا
ایسی ہوئی کچھ کبھی بھی گویا کہ نہ تھا
یاروں میں تمہارے ہم بھی تھے یا کہ نہ تھے
دیکھو تو ادھر کو کبھی کچھ تھا کہ نہ تھا

ہو حق وفا ادا قضا نے چاہا
کعبے کا سفر بخت رسا نے چاہا
ہے ترک علاج ان بتوں کا مومن
دیکھو چاہیں گے گر خدا نے چاہا

اب سے وہ گئے ادھر نہیں یاد کیا
بھیجی نہیں کچھ خبر نہیں یاد کیا
ہم یاد میں جس کی آہ سب کچھ بھولے
اس نے ہمیں بھول کر نہیں یاد کیا

مومنؔ غمِ جاناں کو غمِ دوراں بنا کر پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ عشق کا غم اور ہجر کی باتیں، یہ سب ان کی رُباعیوں میں موجود ہے۔ ان کی چند رُباعیاں ملاحظہ ہوں:

ہے فکر سدا کوئی نہ چاہے تجھ کو
ہو کچھ ایسا کوئی نہ چاہے تجھ کو
شکوہ کر کے کروں گا سب میں رسوا
یا میرے سوا کوئی نہ چاہے تجھ کو

الفت میں بھی مجھ کو دکھ دیے جاتے ہو
مذکور ندامت کا کیے جاتے ہو
کہتے ہو کہ اب غیر کا میں نام نہ لوں
یوں بھی تو وہی نام لیے جاتے ہو

رازِ غم عشق کو چھپایا ہم نے
اس ضبط سے جان کو کھپایا ہم نے
تھی دل میں بھری ہوئی ہوائے جاناں
دردِ قولنج اسے بتایا ہم نے

مومنؔ کی رُباعیوں میں محبوب کی کج ادائیوں کا بیان کثرت سے ہے۔ انھوں نے ہجر کی حالت میں پیدا شدہ حالات اور دل پر بیتے واردات کا دل چسپ نقشہ کھینچا ہے۔ انھوں نے محبوب کی سنگ دلی اور اس کے جور و ستم کے موضوع کو بڑی خوب صورتی سے اپنی رُباعیوں کا حصہ بنایا ہے۔ مومنؔ کی رُباعیوں میں عہدِ جوانی کے ختم ہونے، زندگی کے ڈھلنے یعنی وقت پیری کے آنے اور محبوب کی جدائی کا ملال بھی نمایاں ہے۔ بہ طور مثال ان کی درج ذیل رُباعیاں ملاحظہ کیجیے:

گر دل میں اثر نہ تیرے غم کا ہوتا
کاہے کو یہ لوٹنا تڑپنا ہوتا
کیسی آرام سے گذرتی اوقات
اے کاش کہ میرا دل بھی تجھ سا ہوتا

کیا ظلم یہ اے نالہ بے باک کیا
اس شعلہ مزاج کو غضب ناک کیا
افسوس وہ لعل لب نہیں گرم سخن
اس آتش خاموش نے جی خاک کیا

ہے عہد شباب زندگانی کا مزا
پیری میں کہاں وہ نوجوانی کا مزا
اب یہ بھی کوئی دن میں فسانہ ہوگا
باتوں میں جو باقی ہے کہانی کا مزا

ہے طرفہ ستم ان کے پھر گھر جانا
حسرت زدہ جینا بھی ہے گو مرجانا
پر مجھ کو سحر تلک نہ جینے دے گا
تیرا یہ شب بخیر کہہ کر جانا

مومن کی رُباعیوں میں مذہبی نوعیت کے مضامین مثلاً توبہ، مناجات، اہل بیت کی تعریف، پندونصیحت، بے ثباتی دُنیا، زہدوتقویٰ، گناہ وثواب اورتصوف وغیرہ بھی بیان ہوئے ہیں۔ان کی ایسی رُباعیوں میں مذہبی رنگ نمایاں ہے جس میں وہ بار بار معاشرے کو پیغام دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، نصیحت کرتے ہیں اور فکر آخرت کے بنیادی نکات کوشعری پیکر میں ڈھالتے ہیں۔مومن کو امت محمدی ہونے پر فخر ہے اور بنو فاطمی سے انھیں ایک خاص لگاؤ ہے جس کا برملا اظہار وہ اپنی رُباعیوں میں کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کی درج ذیل رُباعیاں دیکھیے:

اے خواجۂ خواجگاں دمِ خشم و عتاب
کیا تاب کہ دے سکے کوئی تجھ کو جواب
گر جرم کا میرے وزن کرنا ٹھہرا
انصاف سے کر اپنے کرم کا بھی حساب

تا بندگی عذار سے فرق امام
تھا جلوہ نما سناں پہ جوں ماہ تمام

یہ حجت ساطع کرامات حسین
افزوں ہوئی تیرہ روزی لشکرِ شام

خالص ہوں محمدی مرا دین اسلام
گو رائے صواب ہو نہیں مجھ کو کام
تقلید کی ٹھیری تو ہوں گا شیعہ
کس واسطے چھوڑ دیجے افضل تر امام

مومنؔ کی رُباعیوں میں حب الوطنی کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ بہ ظاہر تو وہ خدا کی بات کرتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر غور کیجیے تو احساس ہوتا ہے کہ وہ وطن، چمن اور انجمن کا ذکر کر کے دلی کی زبوں حالی اور بربادی کا ماتم کر رہے ہیں۔ درج ذیل رُباعی دیکھیے:

کیا گوشہ خفا میں انجمن میں بھی تو تھا
کیا دشت کہ تنگ دل چمن میں بھی تو تھا
کچھ اور نہیں سفر میں ایذا لیکن
اک درد ہے دل میں جو وطن میں بھی تو تھا

مومنؔ کی رُباعیوں میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر بار بار ملتا ہے۔ ان کی بہت سی رُباعیوں سے یہ پیغام ملتا ہے کہ زندگی کا سفر آسان نہیں ہے۔ اس دُنیا سے جانے کی تیاری ہمیشہ رہنی چاہیے۔ ان کا خیال ہے کہ مذہب سے دُوری یا لاعلمی دنیا و آخرت دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ مومنؔ عام انسانوں کی طرح گناہوں پر پشیماں اور نادم ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اے خدا! میں اپنے گناہوں کی وجہ سے شرمندہ ہوں۔ کس منہ سے تیرے سامنے جاؤں گا۔ مجھے معاف کر دے۔ یہی مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ اے خدا! حشر کے میدان میں جب میرے کارناموں کا دفتر پڑھا جائے گا تو تو مجھے نادم ہونے سے بچالے۔ دیکھیے ان سب باتوں کو مومنؔ نے درج ذیل رُباعیوں میں کس سلیقے سے پیش کیا ہے:

لکھا نہ گیا اگرچہ دفتر لکھا
لکھا وہی بالکل کہ ہے دل پر لکھا
حیراں ہوں کہ جو حال پریشاں ہے مرا
یہ کاتب تقدیر نے کیوں کر لکھا

ہے شرمِ گنہ سے جان کیسی بے تاب
یہ ذکر جہاں ہوا ہوا جی بے تاب
یارب کہ موثر ہو یہ کہنا میرا
یارب ہے ترا بندۂ عاصی بے تاب

جنت میں ہے روز حشر جانا مومن
ناداں نہ بن کہ تو ہے دانا مومن
ہر رات نہ مل روے صنم سے آخر
اک دن ہے خدا کو منہ دکھانا مومن

مومنؔ نے اپنی رُباعیوں میں علمائے سو کی بھی خبر لی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ کچھ نئے عالم پیدا ہوئے ہیں جو جہاد اور حق کی لڑائی کو فسق و فجور سمجھتے ہیں۔ان منافق صفت لوگوں کی وجہ سے جہاد کی باتیں خلاف سنت مان لی گئی ہیں۔ انھوں نے وحدت کے تصور کو نئے میزان پر باندھا ہے۔ دیکھیے مذکورہ باتوں کا اظہار انھوں نے درج ذیل رُباعیوں میں کس طرح کیا ہے:

یہ چند منافق سراپا بدعت
ہے کفر و ضلال و فسق جن کی طینت
بتلاتے ہیں بدعتی امام حق کو
گویا کہ جہاد ہے خلاف سنت

نہ کچھ رہ سنت نہ طریق توحید
پھر کیا ہے ضرور سب کی یکساں فہمید
ہم سمجھے ہیں معنی حقیقی یعنی
حیواں ہیں حقیقت میں یہ اہل تقلید

مومنؔ کی رُباعیوں میں تلمیح کا رنگ نمایاں ہے۔انھوں نے اپنی کچھ رُباعیوں کو آل نبیؐ سے جوڑ کر اسے نیا موڑ دیا ہے اور کربلا کے واقعات اور اہلِ بیت کے سپوتوں پر ہونے والے ظلم وستم کو بیان کیا ہے۔ یہ موضوعات مرثیے کے محبوب ترین موضوعات ہیں لیکن مومنؔ کی خوبی یہ ہے کہ وہ محض چار مصرعوں میں اپنی بات کہہ جاتے ہیں۔ ابن زیاد کا واقعہ ہو یا ابن سعد کا، آل حسینؓ کا ماجرہ ہو یا ابن علی کا، ان سبھی کو انھوں نے نہایت سلیقے سے برتتے ہوئے بیان کیا ہے کہ دجلہ وفرات کی ندیاں تو شاہد ہیں کہ کس طرح آل رسولؐ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے،

ان کو پانی سے محروم رکھا گیا اور تڑپ تڑپ کر انھوں نے جان دی۔ اس ضمن میں ان کی درج ذیل رُباعیاں دیکھیے:

کیا سخت تھے ابن سعد اور ابن زیاد
اولاد نبی پہ ستم یہ بے داد
فریاد امام کی کسی نے نہ سنی
اللہ سنے مقلدوں کی فریاد

درد شہدائے کربلا تو دیکھو
خوں ریزی چشم ماجرا تو دیکھو
ایسوں سے ہو کیوں نہ حق تعالیٰ راضی
کیا صبر کیا ان کی رضا تو دیکھو

امواج فرات دیکھ روے شبیر
حسرت سے یہ خوں نابہ فشاں کی تقریر
ہیں اپنے ہی امتی لہو کے پیاسے
کیا تشنگی آل نبی کی تدبیر

روتا ہوں حسین ابن علی کے غم میں
ہیں عیش جناں کی آس، اس ماتم میں
حیف آل نبی میں کوئی باقی نہ رہا
لازم ہے کہ باقی نہ رہے کچھ ہم میں

رُباعی کے سلسلے میں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ فن کے اعتبار سے یہ ایک مشکل شعری صنف ہے۔ ایک ماہر رُباعی گو کی ہنرمندی ہے کہ وہ کسی خیال، واقعے یا مضمون کو چار مصرعوں کی مدد سے انتہائی مربوط انداز میں پیش کرے۔ اسے الفاظ کے استعمال پر اتنا عبور حاصل ہو کہ چار مصرعوں میں وہ اپنی بات مکمل کر سکے۔ مومنؔ بہت حد تک اس پر پورے اُترتے ہیں۔ انھوں نے بعض رُباعیاں مستزاد کی ہیئت میں بھی کہی ہیں۔ یعنی ان کی رُباعیوں میں ہر مصرعے کے بعد ایک خاص وزن کا ٹکڑا لگا ہوا ہے جو اسی مصرعے کے رکن اول اور رکن آخر کے برابر کے طور پر لکھا ہوا ہے۔ مستزاد کی ہیئت میں ان کی درج ذیل رُباعیاں ملاحظہ کیجیے:

کہہ دین میں تھا لقب یگانا اپنا تھے بت سے خفا
گاہے صنموں کو ہم نے جانا اپنا اللہ ری خطا
سب دیر و حرم کی خاک چھانی مومن کیا خاک کہیں
دیکھا تو کہیں نہیں ٹھکانا اپنا جی بیٹھ گیا

مومن دل سا مکاں جو برباد دیا مانند حساب
ان سنگ دلوں کو دے کے کیا خاک لیا جز رنج وعذاب
یعنی وہ مکاں کہ تھا خدا کا مسکن کر نذر بتاں
برباد کیا اسے یہ کیا کام کیا اے خانہ خراب

مومن خاں مومنؔ کی رُباعیاں اپنے منفرد لب و لہجے، اسلوب اور موضوعات کے تنوع کے لحاظ سے اُردو شاعری میں منفرد مقام رکھتی ہیں۔ ان کی رُباعیاں اگرچہ انیسؔ و دبیرؔ یا حالیؔ کی رُباعیوں کی طرح بلند نہیں ہیں لیکن اُردو رُباعی نگاری میں ان کی رُباعیاں اپنی فکری وفنی خوبیوں کے باعث خصوصی توجہ اور اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کی رُباعیاں ان کی غزلوں سے قدرے مختلف ہیں جہاں دُنیا کی بے ثباتی اور مذہب و اخلاق سے جڑے ہوئے موضوعات کی گہما گہمی ہے۔ انھوں نے اپنی رُباعیوں میں عشق کے جذبات کو بھی نہایت قرینے سے باندھا ہے۔ ان کی رُباعیاں زیادہ تر بحر ہزج مثمن یا مضارع میں ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں دبستانِ دہلی کی تمام تر خوبیاں مثلاً افکار کی رنگینی، اسلوب کی سادگی و روانی، داخلیت، سلاست وفصاحت، لب و لہجے کی انفرادیت، طرزِ ادا کی نُدرت اور لطافت و دل کشی وغیرہ موجود ہیں۔

28.3.3 ماحصل

مومن خاں مومنؔ کا اصل نام 'محمد مومن' اور تخلص 'مومنؔ' تھا۔ والد کا نام 'غلام نبی خاں' تھا۔ مومنؔ ۱۲۱۵ھ بمطابق ۱۸۰۰ء کو کوچہ چیلان، دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور عربی تعلیم شاہ عبدالقادر دہلوی سے حاصل کی۔ دنیوی علوم کی تعلیم انھوں نے مکتب میں حاصل کی۔ طب، نجوم، رمل، ریاضی، شطرنج اور موسیقی جیسے علوم سے بھی انھیں بے پناہ دل چسپی تھی۔ ان علوم وفنون میں بھی انھوں نے غیر معمولی مہارت حاصل کی۔ آغازِ جوانی سے شاعری شروع کر دی تھی۔ اپنی پہلی مثنوی 'شکایت ستم' ۱۲ برس کی عمر میں لکھی۔ شاعری میں کچھ دنوں انھوں نے شاہ نصیرؔ سے اصلاح لی لیکن جلد ہی مشق ومہارت سے وہ دہلی کے شاعروں میں اپنی

خاص جگہ بنانے میں کام یاب ہوگئے۔ مومنؔ نے قصیدہ، رُباعی، واسوخت، غزل اور مثنوی وغیرہ اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔ اُردو دیوان، فارسی دیوان اور 'انشاے مومنؔ' (فارسی) کے علاوہ چھے مثنویاں ان کی یادگار ہیں۔ ان کا انتقال چھت سے گرنے کی وجہ سے ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۴مئی ۱۸۵۱ء کو ہوا۔ مومنؔ کی اصل شناخت ممتاز غزل گو شاعر کی حیثیت سے ہے۔ غزلوں کے علاوہ انھوں نے رُباعیاں بھی لکھی ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں موضوعات کا تنوع ہے۔ ان کی زیادہ تر رُباعیاں عشق و محبت کے مضامین و مسائل سے معمور ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی رُباعیوں میں مذہبی نوعیت کے مضامین مثلاً توبہ، مناجات، اہل بیت کی تعریف، پند و نصیحت، بے ثباتیِ دُنیا، زہد و تقویٰ، گناہ و ثواب اور تصوف وغیرہ بھی بیان ہوئے ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں حب الوطنی کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اپنی کچھ رُباعیوں میں کربلا کے واقعات اور اہلِ بیت کے سپوتوں پر ہونے والے ظلم و ستم کو بیان کیا ہے۔ مومن خاں مومنؔ کی رُباعیاں اپنے منفرد لب و لہجے، اسلوب اور موضوعات کے تنوع کے لحاظ سے اُردو شاعری میں منفرد مقام رکھتی ہیں۔ ان کی رُباعیاں اگرچہ انیسؔ و دبیرؔ یا حالیؔ کی رُباعیوں کی طرح بلند نہیں ہیں لیکن اُردو رُباعی نگاری میں ان کی رُباعیاں اپنی فکری و فنی خوبیوں کے باعث خصوصی توجہ اور اہمیت کی حامل ہیں۔ انھوں نے بعض رُباعیاں مستزاد کی ہیئت میں بھی کہی ہیں۔ یعنی ان کی رُباعیوں میں ہر مصرعے کے بعد ایک خاص وزن کا ٹکڑا لگا ہوا ہے جو اسی مصرعے کے رکن اول اور رکن آخر کے برابر کے طور پر لکھا ہوا ہے۔ ان کی رُباعیاں ان کی غزلوں سے قدرے مختلف ہیں جہاں دُنیا کی بے ثباتی اور مذہب و اخلاق سے جڑے ہوئے موضوعات کی گہما گہمی ہے۔ انھوں نے اپنی رُباعیوں میں عشق کے جذبات کو بھی نہایت قرینے سے باندھا ہے۔ ان کی رُباعیاں زیادہ تر بحر ہزج مثمن یا مضارع میں ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں دبستانِ دہلی کی تمام تر خوبیاں مثلاً افکار کی رنگینی، اسلوب کی سادگی و روانی، داخلیت، سلاست و فصاحت، لب و لہجہ کی انفرادیت، طرزِ ادا کی نُدرت اور لطافت و دل کشی وغیرہ موجود ہیں۔

28.4 آپ نے کیا سیکھا؟

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے:

- محمد مومن خاں مومنؔ کے سوانحی احوال و کوائف سے واقفیت حاصل کی۔
- محمد مومن خاں مومنؔ کی رُباعی نگاری سے بحث کی۔
- محمد مومن خاں مومنؔ کی رُباعیوں کے موضوعات سے واقفیت حاصل کی۔

- محمد مومن خاں مومؔن کی رُباعی نگاری کی خصوصیات و امتیازات سے آگہی حاصل کی۔
- اُردو رُباعی نگاری میں محمد مومن خاں مومؔن کے مقام و مرتبے کو سمجھا۔

28.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ محمد مومن خاں مومؔن کے سوانحی احوال و کوائف پر مختصراً اظہارِ خیال کیجیے۔

۲۔ محمد مومن خاں مومؔن کے اُردو دیوان (مرتبہ شیفتؔہ) کے پہلے ایڈیشن کو کس نے اور کب شائع کیا؟

۳۔ محمد مومن خاں مومؔن کی رُباعیوں کے موضوعات پر مختصر روشنی ڈالیے۔

۴۔ محمد مومن خاں مومؔن کی رُباعیوں میں عشق و محبت کے عنصر کو مثالوں سے واضح کیجیے۔

۵۔ محمد مومن خاں مومؔن کی رُباعی نگاری کی خصوصیات و امتیازات سے بحث کیجیے۔

28.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ مومن خاں مومؔن کا اصل نام 'محمد مومن' اور تخلص 'مومؔن' تھا۔ والد کا نام 'غلام نبی خاں' تھا۔ مومؔن ۱۲۱۵ھ بمطابق ۱۸۰۰ء کوکوچہ چیلان، دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور عربی تعلیم شاہ عبدالقادر دہلوی سے حاصل کی۔ دنیوی علوم کی تعلیم انھوں نے مکتب میں حاصل کی۔ طب، نجوم، رمل، ریاضی، شطرنج اور موسیقی جیسے علوم سے بھی انھیں بے پناہ دل چسپی تھی۔ ان علوم وفنون میں بھی انھوں نے غیر معمولی مہارت حاصل کی۔ آغازِ جوانی سے شاعری شروع کر دی تھی۔ اپنی پہلی مثنوی 'شکایت ستم' ۱۲ برس کی عمر میں لکھی۔ شاعری میں کچھ دنوں انھوں نے شاہ نصیؔر سے اصلاح لی لیکن جلد ہی مشق و مہارت سے وہ دہلی کے شاعروں میں اپنی خاص جگہ بنانے میں کام یاب ہوگئے۔ مومؔن نے قصیدہ، رُباعی، واسوخت، غزل اور مثنوی وغیرہ اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔ اُردو دیوان، فارسی دیوان اور 'انشائے مومؔن' (فارسی) کے علاوہ چھے مثنویاں ان کی یادگار ہیں۔ ان کا انتقال چھت سے گرنے کی وجہ سے ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۴مئی ۱۸۵۱ء کو ہوا۔

۲۔ محمد مومن خاں مومؔن کے اُردو دیوان (مرتبہ شیفتؔہ) کے پہلے ایڈیشن کو ۱۸۴۶ء میں مولوی کریم الدین پانی پتی نے دہلی سے شائع کیا۔

۳۔ محمد مومن خاں مومؔن کی رُباعیوں میں موضوعات کا تنوع ہے۔ ان کی زیادہ تر رُباعیاں عشق و محبت کے

مضامین و مسائل سے معمور ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی رُباعیوں میں مذہبی نوعیت کے مضامین مثلاً توبہ، مناجات، اہل بیت کی تعریف، پند و نصیحت، بے ثباتی دُنیا، زہد و تقویٰ، گناہ و ثواب اور تصوف وغیرہ بھی بیان ہوئے ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں حب الوطنی کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اپنی کچھ رُباعیوں میں کربلا کے واقعات اور اہلِ بیت کے سپوتوں پر ہونے والے ظلم وستم کو بیان کیا ہے۔

۴۔ محمد مومن خاں مومنؔ کی شاعری کا خاص عنصر عشق و محبت ہے اور یہی ان کی رُباعیوں کا خاص موضوع بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زیادہ تر رُباعیاں عشق و محبت کے مضامین و مسائل سے معمور ہیں۔ غزلوں کی طرح وہ اپنی رُباعیوں میں بھی وفا، وصال، بے وفائی اور جور وستم جیسے مضامین کو نئے نئے طریقے سے باندھتے ہیں۔ وہ غمِ جاناں کو غمِ دوراں بنا کر پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ عشق کا غم اور ہجر کی باتیں، یہ سب ان کی رُباعیوں میں موجود ہے۔ اس ضمن میں ان کی درج ذیل رُباعیاں ملاحظہ کیجیے:

ہے فکر سدا کوئی نہ چاہے تجھ کو
ہو کچھ ایسا کوئی نہ چاہے تجھ کو
شکوہ کر کے کروں گا سب میں رسوا
یا میرے سوا کوئی نہ چاہے تجھ کو

الفت میں بھی مجھ کو دکھ دیے جاتے ہو
مذکور ندامت کا کیے جاتے ہو
کہتے ہو کہ اب غیر کا میں نام نہ لوں
یوں بھی تو وہی نام لیے جاتے ہو

راز غم عشق کو چھپایا ہم نے
اس ضبط سے جان کو کھپایا ہم نے
تھی دل میں بھری ہوئی ہوائے جاناں
درد قولنج اسے بتایا ہم نے

۵۔ مومن خاں مومنؔ کی رُباعیاں اپنے منفرد لب و لہجے، اسلوب اور موضوعات کے تنوع کے لحاظ سے اُردو شاعری میں منفرد مقام رکھتی ہیں۔ ان کی رُباعیاں اگرچہ انیسؔ و دبیرؔ یا حالیؔ کی رُباعیوں کی طرح بلند نہیں ہیں لیکن اُردو رُباعی نگاری میں ان کی رُباعیاں اپنی فکری و فنی خوبیوں کے باعث خصوصی توجہ اور

اہمیت کی حامل ہیں۔ انھوں نے بعض رُباعیاں مستزاد کی ہیئت میں بھی کہی ہیں۔ یعنی ان کی رُباعیوں میں ہر مصرعے کے بعد ایک خاص وزن کا ٹکڑا لگا ہوا ہے جو اسی مصرعے کے رکن اول اور رکن آخر کے برابر کے طور پر لکھا ہوا ہے۔ ان کی رُباعیاں ان کی غزلوں سے قدرے مختلف ہیں جہاں دُنیا کی بے ثباتی اور مذہب واخلاق سے جڑے ہوئے موضوعات کی گہما گہمی ہے۔ انھوں نے اپنی رُباعیوں میں عشق کے جذبات کو بھی نہایت قرینے سے باندھا ہے۔ ان کی رُباعیاں زیادہ تر بحر ہزج مثمن یا مضارع میں ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں دبستانِ دہلی کی تمام تر خوبیاں مثلاً افکار کی رنگینی، اسلوب کی سادگی و روانی، داخلیت، سلاست و فصاحت، لب و لہجے کی انفرادیت، طرزِ ادا کی نُدرت اور لطافت و دل کشی وغیرہ موجود ہیں۔

28.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معانی)
خشم	:	غصہ، خفگی، ناراضگی
عتاب	:	قہر، غضب، غصہ، ناراضگی
عذار	:	رُخسار، گال، چہرہ، رُخ
ساطع	:	چمکتا ہوا، اونچا، بلند
صواب	:	درست عمل، نیک کام
ایذا	:	اذیت، تکلیف، دکھ، صدمہ
قضا	:	حکمِ خدا، فرمان ازلی، مشیتِ الٰہی، موت
بخت رسا	:	موافق تقدیر، وہ نصیبہ جو اوج پر ہو، خوش نصیبی
شعلہ مزاج	:	غصہ ور، جلد طیش میں آنے والا، تند خو
لعل لب	:	لعل کی طرح سرخ ہونٹ، مراد معشوق کے لب
قولنج	:	پیٹ کا شدید درد

دفتر	:	کام کی جگہ، مراد اعمال نامہ، خطا و گناہ کی رُوداد
عاصی	:	گناہ گار، خطا کار
کج ادائی	:	بے مروتی، بے وفائی، بے رُخی
طُرفہ	:	نادر، انوکھا، عجیب، نیا
فسق	:	نافرمانی، بدکاری، جُرم، گناہ
فہمید	:	سمجھ، عقل، دانائی
طریق	:	راہ، راستہ، طور، انداز
فریاد	:	دہائی دینا، آہ وزاری کرنا، نالہ وفغاں
امواج	:	موج کی جمع، لہر
خوں نابہ فشاں	:	خون اور پانی ملا ہوا، خون کے آنسو
حَیف	:	افسوس، ندامت ہونا، شرمندگی ہونا
طینت	:	عادت، طبیعت، خلقت، سرشت، فطرت
تیِرہ روزی	:	بدنصیبی، سیاہ بختی، غریبی، محتاجی
سِناں	:	نیزے کی انی، بھالا، نیزہ، برچھی
جَلوہَ نُما	:	رونق کا سبب، ظاہر، روشن، نمایاں، رونق بخش
تَاب	:	چمک، روشنی، نور

28.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔ کلیاتِ مومنؔ (جلد اول) : محمد مومن خاں مومنؔ

۲۔ مقدمہَ رُباعی (رُباعی پر چار مقالے) : پروفیسر سید وحید اشرف کچھوچھوی

۳۔ رُباعی ایک عروضی مطالعہ : پروفیسر عظیم الرحمٰن

۴۔ اُردو رُباعیات : ڈاکٹر سلام سندیلوی

۵۔ تاریخِ ادبِ اُردو : پروفیسر وہاب اشرفی

۶۔ تاریخِ ادبِ اُردو : رام بابو سکسینہ

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

اکائی 29 میر ببر علی انیسؔ کی رُباعی نگاری

ساخت

29.1 اغراض ومقاصد

29.2 تمہید

29.3 میر ببر علی انیسؔ کی رُباعی نگاری

29.3.1 رُباعی کا فن اور اُردو میں رُباعی نگاری کی روایت

29.3.2 میر ببر علی انیسؔ کی رُباعی نگاری

29.3.3 ماحصل

29.4 آپ نے کیا سیکھا؟

29.5 اپنا امتحان خود لیجیے

29.6 سوالوں کے جوابات

29.7 فرہنگ

29.8 کتب برائے مطالعہ

29.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ:

- رُباعی کے فن اور اس کی روایت سے واقف ہوں گے۔
- میر انیسؔ کی رُباعی نگاری سے بحث کریں گے۔
- میر انیسؔ کے یہاں رُباعیوں کی مختلف اقسام کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔
- میر انیسؔ کی رُباعی نگاری کی فنی خصوصیات وامتیازات سے واقفیت حاصل کریں گے۔
- اُردو رُباعی نگاری میں میر انیسؔ کے مقام ومرتبے کو سمجھیں گے۔

29.2 تمہید

عزیز طلبا! گذشتہ اکائی میں آپ مومن خاں مومنؔ کے سوانحی حالات وکوائف، ان کی رُباعی نگاری کے

موضوعات اور فنی خصوصیات و امتیازات سے واقف ہوئے۔ اب اس اکائی میں آپ رُباعی کے فن، اس کی روایت سے متعارف ہوں گے، میر انیسؔ کی رُباعی نگاری سے بحث کریں گے، ان کے یہاں رُباعیوں کی مختلف اقسام سے واقف ہوں گے اور ان کی رُباعی نگاری کی فکری وفنی خصوصیات وامتیازات سے آگاہ ہوں گے۔ ساتھ ہی اُردو رُباعی نگاری میں ان کے مقام و مرتبے کو سمجھیں گے۔

29.3 میر ببر علی انیسؔ کی رُباعی نگاری

29.3.1 رُباعی کا فن اور اُردو میں رُباعی نگاری کی روایت

رُباعی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی چار چار کے ہیں۔ ہیئتی اعتبار سے رُباعی اس شعری صنف کو کہتے ہیں جس میں چار مصرعوں کی مدد سے ایک مکمل مضمون یا مربوط خیال پیش کیا جاتا ہے۔ رُباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں جب کہ تیسرا مصرع بے قافیہ ہوتا ہے۔ شمیم احمد نے رُباعی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''رُباعی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں 'چار چار'۔ اصطلاحاً اس سے وہ شعری ہیئت مراد ہے جو چار مصرعوں پر مبنی ہو اور فکر و خیال کے لحاظ سے مکمل ہو۔ رُباعی کے چار مصرعوں میں خیال مربوط و مسلسل ہوتا ہے اور آخری مصرعے میں خیال کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور تیسرا بے قافیہ۔''
>
> (شمیم احمد، اصناف سخن اور شعری ہیئتیں، انڈیا بک امپوریم، بھوپال، ۱۹۸۱ء، ص:۶۹)

اُردو زبان میں دوسری شعری اصناف کی طرح رُباعی بھی فارسی زبان سے آئی۔ اس کے اولین نمونے اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ کے یہاں ملتے ہیں اور وہی اُردو زبان میں رُباعی کے پہلے شاعر مانے جاتے ہیں۔ ان کے کلیات میں ہر قسم کے مضامین پر مشتمل متعدد رُباعیاں ملتی ہیں۔ ان کے بعد سراجؔ اورنگ آبادی اور ولیؔ دکنی کے شعری سرمایے میں بھی رُباعیاں نظر آتی ہیں۔ دکن کے ان شعرا کے علاوہ شمالی ہند کے تقریباً ہر بڑے شاعر نے رُباعی کی صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ دبستانِ دہلی کے شعرا میں میر تقی میرؔ، میر دردؔ اور مرزا محمد رفیع سوداؔ وغیرہ کے یہاں بڑی تعداد میں رُباعیاں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح دبستانِ لکھنؤ کے شعرا میں آتشؔ، ناسخؔ، انشاؔ اور جرأت کے یہاں بھی رُباعی پر مشتمل وقیع شعری سرمایہ موجود ہے۔ ان شعرا کے بعد غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ اور بہادر شاہ ظفرؔ نے بھی دل چسپ رُباعیاں کہی ہیں۔ یہی دور میر انیسؔ کا ہے۔ اس طرح میر انیسؔ

کے دور تک آتے آتے رُباعی کی صنف بلوغت کی عمر کو پہنچ چکی تھی۔اس کے باوجود میر انیسؔ کی رباعیوں میں بہت تنوع ہے اور ان کی رُباعیاں فکری وفنی دل کشی کی حامل ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اُردو رُباعی نگاری کی روایت میں ان کا نام انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ان کو رُباعی وراثت میں ملی تھی کیوں کہ ان کے پیش روؤں اور خاندانی بزرگوں میں بڑے بڑے رُباعی گو شاعر گزرے ہیں۔ان کے دادا میر غلام حسین دہلوی نے تقریباً سو رُباعیاں لکھی ہیں جو اپنے موضوعات کے تنوع کی وجہ سے قاری کی توجہ اپنی جانب مبذول کرتی ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ میر انیسؔ کے عہد تک آتے آتے رُباعیوں کے موضوعات تقریباً متعین ہو چکے تھے۔اس لیے میر انیسؔ نے بھی ان ہی موضوعات کی پابندی کی ہے جو رُباعی کے سلسلے میں مروج تھے۔ان کی رُباعیوں میں عام فلسفیانہ اور عارفانہ قسم کے مضامین کے ساتھ ساتھ عقیدہ اور مذہب سے قریب مضامین بھی ملتے ہیں۔ان کی رُباعیاں فنی اعتبار سے بھی جاذبیت و دل کشی اور اعلیٰ اہمیت کی حامل ہیں۔ان کے ہم عصر مرزا دبیرؔ اور دوسرے شعرا نے بھی رُباعیاں کہیں لیکن رُباعی نگاری میں انھوں نے بھی میر انیسؔ کے منفرد آہنگ اور لب و لہجے کا تتبع کیا۔یعنی میر انیسؔ کے ہم عصر شعرا نے بھی رُباعی نگاری میں میر انیسؔ کا اثر قبول کیا اور ان کی پیروی کی۔میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ وغیرہ کے بعد شیفتہؔ، مولانا حالیؔ، اکبرؔ الہ آبادی، اسماعیلؔ میرٹھی، شادؔ عظیم آبادی، جوشؔ ملیح آبادی، فانیؔ، سیمابؔ اکبر آبادی اور فراقؔ گورکھ پوری نے بھی رُباعی نگاری میں خصوصی دل چسپی لی اور عمدہ رُباعیاں کہہ کر اُردو رُباعی نگاری کی روایت میں قابلِ قدر اضافہ کیا۔ان شعرا کے علاوہ دیگر شعرا نے بھی رُباعیاں کہیں۔اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ رُباعی ایک ایسی صنف ہے جس کی طرف بیش تر شعرا نے توجہ دی۔آج کے دور میں بھی شعرا رُباعیاں کہہ رہے ہیں اور اس کا سفر جاری ہے۔

29.3.2 میر ببر علی انیسؔ کی رُباعی نگاری

میر انیسؔ اُردو رُباعی نگاری میں اس اعتبار سے عظمت واہمیت کے حامل ہیں کہ انھوں نے سادہ و سلیس اور عام فہم انداز میں اپنی رُباعیوں میں جو باتیں کہی ہیں، وہ از دل خیزد بر دل ریزد کے مصداق قاری کے دل میں اُتر جاتی ہیں۔محمد حسن بلگرامی رُباعی نگاری میں ان کی عظمت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''اس صنف میں ایسے ایسے اکابر طبع آزمائی کرکے نام کر چکے ہیں کہ ان سے آگے قدم بڑھانا سخت دشوار تھا مگر میر انیسؔ نے یہاں بھی اپنی عظمت کا سکہ منوایا اور رُباعی میں اپنا نام ہی نہیں چھاپ بھی چھوڑ گئے۔''
>
> (محمد حسن بلگرامی (مرتبہ)، رُباعیات انیسؔ، جے کے آفسیٹ پریس، دلی، ۱۹۷۹ء، ص:۴)

میر انیسؔ نے مستقلاً رُباعیاں نہیں کہی ہیں بلکہ مرثیہ پڑھنے سے پہلے وہ ایک دو سلام پڑھتے تھے اور کچھ رُباعیاں

کہتے تھے۔اس طرح انھوں نے مختلف اوقات میں رُباعیاں کہی ہیں۔کبھی مرثیوں سے فرصت ملنے پر انھوں نے رُباعی کہی ہے تو کبھی مجلس میں مرثیہ سنانے کے لیے جاتے وقت رُباعیاں موزوں کی ہیں۔اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سلام سندیلوی نے لکھا ہے:

> ''اگر چہ مستقلاً میر انیسؔ نے بھی رُباعیاں نہیں کہی ہیں اور نہ خاص طور سے رُباعیاں کہنے کے مقصد سے وہ کبھی بیٹھتے تھے تاہم چوں کہ ان کے دور میں مرثیہ پڑھنے سے قبل کچھ رُباعیاں، ایک دو سلام اور بعد میں مرثیہ پڑھنے کا رواج تھا۔ اس لیے انیسؔ کو ضرورتاً رُباعیاں کہنی پڑتی تھیں۔ میر انیسؔ رُباعیاں مختلف اوقات میں کہتے تھے۔کبھی کبھی مرثیوں سے فرصت ملنے پر کچھ رُباعیات کہہ لیتے تھے۔کبھی ایسا ہوا کہ مجلس جاتے وقت کچھ رُباعیاں کہہ لیں۔اگر جاتے وقت فرصت نہ مل سکی تو وہ راستے میں کچھ رُباعیاں موزوں کر لیتے تھے۔لیکن جب راستے میں کسی وجہ سے وہ رُباعیاں نہ کہہ پاتے تھے تو مجلس میں بیٹھ کر کہہ لیتے تھے۔بہر حال مرثیہ پڑھنے سے پہلے رُباعی پڑھنا ان کا وتیرہ بن چکا تھا۔رفتہ رفتہ ان رُباعیات کا ایک خزانہ جمع ہو گیا۔''
>
> (ڈاکٹر سلام سندیلوی، اُردو رُباعیات، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۶۳ء، ص:۳۷۷)

اُردو رُباعی نگاری میں میر انیسؔ کا امتیاز یہ ہے کہ ان کی رُباعیوں میں وہ تمام موضوعات پائے جاتے ہیں جو رُباعی کے لیے جز و لاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی انھوں نے اپنی رُباعیوں میں ان تمام موضوعات کو برتا ہے جو فارسی شعرا نے اختیار کیے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی رُباعیاں فارسی کے رباعی گو شعرا شیخ عطار، مولانا روم اور سرمد کی رُباعیوں کے بالمقابل رکھی جا سکتی ہیں۔میر انیسؔ اُردو رُباعی نگاری میں اس اعتبار سے بھی منفرد اور ممتاز ہیں کہ انھوں نے اُردو رُباعی میں ایک نئے موضوع یعنی رثائی رُباعیوں کا اضافہ کیا ہے۔میر انیسؔ کا امتیاز یہ بھی ہے کہ انھوں نے بڑی تعداد میں انتہائی کام یاب اور مقبول رُباعیاں کہی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ دور متوسط کے سب سے بڑے رُباعی گو شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں اور اُردو رُباعی نگاری میں ان کی شہرت و مقبولیت بلندی کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔اُردو رُباعی نگاری میں میر انیسؔ کا امتیاز یہ بھی ہے کہ ان کے منفرد لہجے اور آہنگ کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ان کے ہم عصروں بالخصوص ان کے ہم عصر مرزا دبیرؔ نے رُباعی نگاری میں ان کا گہرا اثر قبول کیا۔ اُردو رُباعی نگاری میں میر انیسؔ کے آہنگ اور لہجے کو اس قدر اعتبار و وقار حاصل ہوا کہ دوسرے رُباعی گو شعرا اسی لہجے کی پیروی کرنے لگے۔یہی وجہ ہے کہ میر انیسؔ کے لہجے کی چھاپ ان کے عہد کے رُباعی گو شعرا کے یہاں واضح طور پر نظر آتی ہے۔

میر انیسؔ کی رُباعیوں میں موضوعات کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ان کی رُباعیوں میں مختلف قسم کے موضوعات پائے جاتے ہیں اوران ہی موضوعات کے اعتبار سے محققین نے ان کی رُباعیوں کی تقسیم کی ہے۔ڈاکٹرسلام سندیلوی نے موضوعاتی اعتبار سے ان کی رُباعیوں کی تقسیم اس طرح کی ہے:

۱۔ مذہبی رباعیات: جس میں حمد،مغفرت،نعت،منقبت،عقائداور رثائی رُباعیاں آتی ہیں۔

۲۔ اخلاقی رُباعیاں

۳۔ فلسفیانہ رُباعیاں

۴۔ سماجی رُباعیاں

۵۔ ذاتی رُباعیاں

مذہبی رُباعیات:

میر انیسؔ نے ایک مذہبی خانوادے میں جنم لیا تھا جہاں مذہب کا بہت زیادہ عمل دخل تھا۔انھوں نے دوسرے علوم وفنون کے ساتھ مذہب کی تعلیم بھی حاصل کی تھی اور وہ دین وشریعت سے پوری طرح واقف بھی تھے۔میر انیسؔ کے عہد میں یہ رواج تھا کہ مرثیہ نگار شعرا مرثیہ کہنے سے پہلے سلام یا ایک دو رُباعی پڑھا کرتے تھے۔اس کے بعد وہ مرثیہ گوئی کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔میر انیسؔ نے بھی ان روایات کی پیروی کی۔اس طرح ان کے یہاں مرثیہ کے ساتھ رُباعیوں کا بھی اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا۔میر انیسؔ کے ذہن وفکر پر مذہب کا گہرا اثر تھا۔مذہب سے میر انیسؔ کی عقیدت کا ہی نتیجہ ہے کہ انھوں نے حمد یہ رُباعیاں بھی کہی ہیں جس میں انھوں نے خدا کی ذات اوراس کی صفات کو بیان کیا ہے۔میر انیسؔ کی جن رُباعیوں میں خدا کی ذات کا بیان ہوا ہے،اس میں معرفت اور وحدانیت کا رنگ جھلکتا ہے اوران کی جن رُباعیوں کا تعلق خدا کی صفات سے ہے،ان میں خدا تعالیٰ کی رزاقیت و غفاریت وغیرہ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔مندرجہ ذیل رُباعی میں خدا کی ذات کو بیان کیا گیا ہے اور ہر شے میں خدا کی موجودگی کو دکھایا گیا ہے۔رُباعی دیکھیے:

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پر گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں، بُو تیری ہے

خدا تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے۔وہ ہماری رگِ جاں سے بھی قریب ہے مگر دُور بھی ہے۔دیکھیے اس مضمون کو میر انیسؔ نے کتنی فن کاری سے ادا کیا ہے:

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
قربت رگ جاں سے اور پھر اس پر یہ بعد
اللہ اللہ کس قدر دُور ہے تو

میر انیسؔ کی جن رُباعیوں میں خدا کی صفات کا ذکر ہے، اس میں بندوں پر خدا کی شفقت و رحمت، اس کی ستاریت اور اس کی رزاقیت وغفاریت وغیرہ صفات کا بیان کیا گیا ہے۔ بہ طور مثال درج ذیل رُباعی ملاحظہ ہو:

خلاق جہاں ہے، رب اکبر تو ہے
ستار ہے، رزاق ہے، داور تو ہے
حیراں ہوں کیا کروں صفت میں تیری
جو حمد و ثنا ہے، اس سے برتر تو ہے

میر انیسؔ کی ایک اور رُباعی دیکھیے جس میں اللہ کی رحمت کا بیان ہوا ہے۔

ہم نے کبھی عصیاں سے کنارا نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

میر انیسؔ نے اپنی رُباعیوں میں خدا کی بارگاہ میں مغفرت اور بخشش کی دعا بھی مانگی ہے جس میں خشوع وخضوع ہے۔ ان کی اس طرح کی رُباعیاں بہت پُر اثر ہیں۔ دیکھیے درج ذیل رُباعی میں انھوں نے کس انوکھے انداز میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے خدا کو مغفرت و معاف کر دینے والا بتایا ہے:

ہے کون جو عصیاں میں گرفتار نہیں
جز تیرا کرم کچھ اور درکار نہیں
مجھ سا نہیں عالم میں گنہ گار اگر
تجھ سا بھی تو اور کوئی غفار نہیں

میر انیسؔ کے یہاں نعت ومنقبت سے عبارت رُباعیاں بھی ملتی ہیں۔ دراصل انھیں نبی اکرم ﷺ اور اہلِ بیت سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اسی محبت وعقیدت کی وجہ سے انھوں نے اپنی بہت ساری رُباعیوں میں نہایت ادب و احترام اور تعظیم وتکریم کے ساتھ رسول خدا ﷺ، معراج شریف، حضرت علیؓ کی ولادت وخلافت، ان کی فضیلت، فاطمہ زہرا اور حضرت حسینؓ کی مدح وستائش کی ہے۔ دیکھیے ان کی درج ذیل رُباعی جو انھوں نے حضور ﷺ کی

شان میں کہی ہے اور جس میں انھوں نے آپ ﷺ کو عظیم اور لاثانی بادشاہ قرار دیتے ہوئے معراج شریف کی عظمت واہمیت بیان کی ہے:

دنیا میں محمد سا شہنشاہ نہیں
کس راز سے خالق کے وہ آگاہ نہیں
باریک ہے ذکر قرب معراج انیسؔ
خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

میر انیسؔ نے ایک رُباعی حضرت علیؑ کی ولادت کی تعریف میں کہی ہے۔ دیکھیے اس رُباعی کا آہنگ و انداز کتنا منفرد اور دل کش ہے۔

دین داروں نے امن کفرو شر سے پایا
کعبہ نے شرف ایسے گھر سے پایا
ہاتھوں پہ علیؑ کو لے کے احمد نے کہا
یہ در نجف خدا کے گھر سے پایا

میر انیسؔ نے اپنی رُباعیوں میں اپنے عقیدے سے متعلق مضامین بھی نظم کیے ہیں۔ ان کی اس قسم کی رُباعیوں میں کربلا و نجف کی خاک، وہاں دفن ہونے کی خواہش، اس کے زائرین کی فضیلت اور عزاخانہ کے فضائل کا بیان کیا گیا ہے۔ سلام سندیلوی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ خاص میر انیسؔ کا ایجاد کردہ مضمون ہے۔ میر انیسؔ سے قبل کسی اور شاعر کے یہاں عقیدے سے متعلق اس قسم کے مضامین کو منظوم کرنے کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ دیکھیے درج ذیل رُباعی میں میر انیسؔ نے روضۂ حسینؑ کی زیارت کو عبادت خداوندی کے مشابہ قرار دیا ہے یعنی ان کے مطابق جو روضۂ حسین تک پہنچ گیا وہ خدا تک پہنچ گیا:

جو روضۂ شاہ کربلا تک پہنچے
بے شبہ و شک وہ مصطفٰے تک پہنچے
اللہ ری عز و شان زوار حسین
پہنچے جو حسین تک وہ خدا تک پہنچے

میر انیسؔ نے اپنی رُباعیوں میں رثائی مضامین بھی بڑی خوب صورتی سے نظم کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رثائی رُباعیاں کہنے کے معاملے میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ دراصل میر انیسؔ کو مرثیہ نگاری سے خاص شغف تھا۔ اس لیے رثائی مضامین سے عبارت رُباعیاں کہنے میں انھیں کسی قسم کی مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا بلکہ اس قسم کے مضامین انھوں نے بہت آسانی سے اپنی رُباعیوں میں نظم کیے ہیں۔ سلام سندیلوی نے لکھا ہے کہ ان کی رثائی

رُباعیوں میں تقریباً وہی مضامین ہیں جو ان کے مرثیوں میں موجود ہیں۔ جیسے شہادت حسینؓ، تشنگیِ حسینؓ، مظلومیت حسینؓ، اہلِ بیت کا مدینے سے روانہ ہونا اور میدانِ کربلا میں داخل ہونا، پھر حضرت علی اکبر، حضرت علی اصغر اور حضرت قاسم وغیرہ کی شہادت کے بیانات وغیرہ۔ میر انیسؔ کی زندگی کے مطالعے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ان کی زندگی ماتم و مرثیۂ حسین کے لیے وقف تھی۔ اس لیے اپنی ایک رُباعی میں انھوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ خدا نے مجھے دو نعمتیں دی ہیں۔ ایک آنکھ جو رونے کے لیے ہے۔ دوسری نعمت ہاتھ ہے جو ماتم کرنے کے لیے ہے۔ دیکھیے اس خیال کو میر انیسؔ نے کتنے اچھے اور پُر اثر انداز میں بیان کیا ہے:

پیدا ہوئے دنیا میں اسی غم کے لیے
رونا ہی جلا ہے چشم پرنم کے لیے
ہم کو دو نعمتیں خدا نے دی ہیں
آنکھیں رونے کو، ہاتھ ماتم کے لیے

میر انیسؔ کا خیال ہے کہ غمِ حسین میں آنسو بہانے سے جنت نصیب ہوتی ہے۔ دیکھیے اس مضمون کو انھوں نے اپنے اندازِ بیان سے کتنا مؤثر بنا دیا ہے:

فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی
بے گانے سے راحت نہ یگانے سے ملی
حقا کہ پلک نواز ہے ذات تری
جنت انھیں اشکوں کے بہانے سے ملی

میر انیسؔ نے اپنی ایک رُباعی میں کربلا کے شہیدوں کی مظلومیت کا ذکر بڑے مؤثر انداز میں کیا ہے جسے سن کر آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔ رُباعی ملاحظہ ہو:

خوں میں شہ مظلوم کا سینہ ڈوبا
بطحا ہوا برباد مدینہ ڈوبا
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک اڑاؤ یارو
خشکی میں محمد ﷺ کا سفینہ ڈوبا

میر انیسؔ نے مذہبی رُباعیاں کہہ کر اُردو رُباعی نگاری میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ ان کی اس قسم کی رُباعیوں کا اُردو شعر و ادب میں بہت بلند مقام ہے۔ ان کی مذہبی رُباعیوں پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر سلام سندیلوی نے لکھا ہے:

''میر انیسؔ کی مذہبی رُباعیوں نے اُردو ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ حمد و مغفرت، نعت و منقبت اور معتقدات و رثائیات نے اُردو شاعری میں ایک نیا چمن کھلا دیا اور خصوصاً معتقدات تو میر انیسؔ سے قبل کسی کے ذہن میں نہیں آئے تھے۔ میر انیسؔ کی مذہبی رُباعیوں کا اثر دیگر مرثیہ گو شعرا پر پڑا۔ اگرچہ ان کے یہاں مذہبی رُباعیوں کی تعداد کافی نہیں ہے تاہم وہ رُباعی گوئی سے دامن بچا نہ سکے کیوں کہ عوام کے گوش و ہوش میر انیسؔ کی آواز سے آشنا ہو چکے تھے۔''

(ڈاکٹر سلام سندیلوی، اُردو رُباعیات، ص: ۳۷۸)

اخلاقی رُباعیاں:

میر انیسؔ ایک اعلیٰ خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ انھوں نے شرفا اور اہلِ کمال کے درمیان پرورش پائی۔ فیض آباد سے جب لکھنؤ آئے تو یہاں بھی اچھا ماحول ملا۔ ایسے اچھے ماحول کے نتیجے میں خودداری، عظمت و شرافت، عاجزی و انکساری اور بلند ہمتی کے عناصر ان کے ذہن و دماغ میں رچ بس گئے تھے اور یہ تمام عناصر ان کی رُباعیوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ میر انیسؔ نے جو اخلاقی رُباعیاں کہی ہیں، وہ ان کی بلند مرتبت شخصیت کا عکس اور پرتو ہیں۔ ان کی اخلاقی رُباعیوں میں ان کی بلند مرتبت شخصیت کے عناصر جلوہ گر نظر آتے ہیں جن سے ہمیں اخلاق و کردار کی اصلاح کرنے، غیرت و خودداری کی راہ پر چلنے اور زندگی کے ہر موڑ پر فروتنی اور انکساری سے کام لینے کی تلقین ملتی ہے۔ بقول ڈاکٹر سلام سندیلوی ''میر انیسؔ کی اخلاقی رُباعیاں ہماری زندگی کے لیے دستور العمل کا کام کرتی ہیں''۔ میر انیسؔ نے اپنی ایک رُباعی میں خودداری کی تلقین کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمیشہ اپنی عزتِ نفس کا خیال رکھنا چاہیے اور یہ پاؤں جب بھی چلیں تو راہِ مولا میں چلیں اور یہ ہاتھ جب بھی اٹھیں تو کسی اور کے سامنے نہیں بلکہ صرف خدا کے آگے اٹھیں۔ رُباعی ملاحظہ ہو:

عزت رہے یارو آشنا کے آگے
مجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہِ مولا میں چلیں
یہ ہاتھ جب اٹھیں تو خدا کے آگے

میر انیسؔ نے اپنی ایک رُباعی میں کہا ہے کہ جس کو خدا دنیا میں مقام و مرتبہ عطا کرتا ہے، وہ فروتنی اور عجز و انکساری کا مظاہرہ کرتا ہے اور تہی مغز شخص اپنی تعریف آپ کرتا ہے جس طرح خالی برتن سے صدا آتی ہے۔ رُباعی ملاحظہ ہو:

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

میر انیسؔ نے اپنی درج ذیل رُباعی میں عمر کی ناپائیداری کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب سال گرہ آتی ہے تو یہ خوشی کا مقام نہیں ہوتا بلکہ مجموعی عمر سے ایک سال کا دورانیہ گھٹ جاتا ہے:

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے
آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سال گرہ ہوئے تو عقدہ یہ کھلا
یاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے

دیکھیے درج ذیل رُباعیوں میں میر انیسؔ نے کتنے دل چسپ انداز میں دنیاوی زندگی کی بے ثباتی کو بیان کیا ہے اورانسان کو عقبیٰ و آخرت کی یاد دلائی ہے:

اندیشۂ باطل سحر و شام کیا
عقبیٰ کا نہ ہائے کچھ سر انجام کیا
ناکام چلے جہاں سے افسوس انیس!
کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا

اب دار فنا سے جان کھونا ہوگا
میت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا
عادت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی انیس!
کیا گزرے گی جب قبر میں سونا ہوگا

عرصۂ حیات کو غنیمت جان کر عملِ خیر کرنا چاہیے تاکہ وقت سفر کسی قسم کا افسوس اور حسرت نہ رہے۔ دیکھیے اس مضمون کو میر انیسؔ نے کس فن کاری سے ادا کیا ہے:

جس دم نزدیک وقت رحلت ہوگا
یارو! کیا ہی مقام حسرت ہوگا
کوئی عمل نیک نہ ہوگا جز یاس
آخر کو وہی رفیق تربت ہوگا

اس دنیا اور یہاں کی ہر چیز کو فنا ہے۔ کسی کو اپنے ہنر پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔ ہر شخص کا انجام دو گز زمیں ہے۔ اس مضمون کو میر انیسؔ نے یوں ادا کیا ہے:

مانا ہم نے کہ عیب سے پاک ہے تو
مغرور نہ ہو صاحب ادراک ہے تو
بالفرض اگر آسماں پہ ہے تیرا مقام
انجام کو سوچ لے کہ پھر خاک ہے تو

میر انیسؔ نے اپنی رُباعیوں میں بار بار انجام اور آخرت کی یاد دلائی ہے۔ اس ضمن میں ان کی یہ رُباعی دیکھیے:

آغوش لحد میں جب کہ سونا ہوگا
جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ! کون ہووے گا انیس
ہم ہوویں گے اور قبر کا کونا ہوگا

میر انیسؔ کی رُباعیوں میں ان کی اخلاقی رُباعیاں بھی بلند مقام اور اہمیت کی حامل ہیں جن میں انھوں نے اخلاق و کردار کی آراستگی کے جو اصول قائم کیے ہیں، وہ دوسروں کے یہاں بہت کم ملیں گے۔ ان کی اخلاقی رُباعیوں کے حوالے سے ڈاکٹر سلام سندیلوی رقم طراز ہیں:

''میر انیسؔ کی اخلاقی رُباعیاں بھی اُردو ادب میں ایک بلند مقام رکھتی ہیں۔ مذہب و اخلاق کے جو سنہرے اصول میر انیسؔ نے قائم کیے ہیں، دوسرے شعرا کے یہاں کم ملیں گے۔ انھوں نے اپنی رُباعیات سے انسان کے کردار کو سنوارا ہے اور اس کو عروج و عظمتِ آدم سے ہم آغوش کیا ہے۔''

(ڈاکٹر سلام سندیلوی، اُردو رُباعیات، ص: ۳۷۹)

فلسفیانہ رُباعیاں:

میر انیسؔ کی رُباعیوں میں فلسفیانہ مضامین بھی ملتے ہیں۔ انھوں نے موت و حیات کے فلسفے کو اپنی رُباعیوں میں مؤثر پیرایے میں بیان کیا ہے۔ دوسرے مفکرین کی طرح انھوں نے بھی اس دنیاوی زندگی کو چند روزہ اور فانی قرار دیا ہے۔ میر انیسؔ کا خیال ہے کہ جب رسول ﷺ اور اہلِ بیت کی زندگی فنا ہوگئی اور وہ اس دنیا میں نہیں رہے تو دوسرے لوگوں کی کیا حقیقت ہے، وہ لوگ بھی اس دنیا میں نہیں رہیں گے اور ایک نہ ایک دن ان پر بھی فنا طاری ہو جائے گی۔ یہ دنیا سراب اور ایک خواب کی طرح ہے۔ دنیا اور انسانی زندگی

کی اس ابدی حقیقت کو میر انیسؔ نے جوانی سے زیادہ پیری میں محسوس کیا ہے کہ پیری موت کی علامت ہے۔ انھوں نے اپنی رُباعیوں میں نحیف و کمزور جسم، پھیکے اور بے نور چہرے، بالوں کی سپیدی اور خمیدہ کمر کا ذکر نہایت پُر اثر لہجے میں کیا ہے۔ کچھ رُباعیوں میں انھوں نے قبر کی تنہائی اور تاریکی کو بھی بیان کیا ہے اور کبھی کبھی اس دنیا کی چندروزہ زندگی سے تنگ آ کر موت کی تمنا بھی کی ہے۔ اس دنیا میں سبھی لوگ مآل اور انجام کی خبر سے غافل ہیں۔ انھیں چندروزہ زندگی کی رنگینی میں عقبیٰ اور انجام کی یاد بالکل نہیں آتی ہے لیکن جو عقل مند آدمی ہے، وہ اپنے مآل اور انجام کی خبر سے بے پروا نہیں ہوتا۔ دیکھیے اس مضمون کو میر انیسؔ نے کس سلیقے سے بیان کیا ہے:

چل جلد اگر قصد سفر رکھتا ہے
تو کچھ بھی مآل کی خبر رکھتا ہے
راحت دنیا میں کس نے پائی ہے انیس
جو سر رکھتا ہے دردسر رکھتا ہے

دنیا میں رنج و غم اور خوشی و مسرت کا احساس صرف حیات یعنی زندگی تک موقوف ہے۔ مرنے کے بعد ان تمام چیزوں کی فکر رخصت ہو جاتی ہے۔ موت رنج والم، خوشی و مسرت اور راحت کے سارے جھگڑے اور الجھن کو یک لخت ختم کر دیتی ہے۔ اس مضمون کو میر انیسؔ نے اس طرح ادا کیا ہے:

وہ موج حوادث کا تھپیڑا نہ رہا
کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی تک انیسؔ
جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

دنیاوی زندگانی ناپائیدار ہے۔ اس کو دوام نہیں۔ موت کے بعد سب کچھ افسانہ ثابت ہوتا ہے۔ ہم جسے لافانی سمجھتے ہیں، وہ فانی ثابت ہوتا ہے۔ اس مضمون کو میر انیسؔ نے اپنی ایک رُباعی میں اس طرح منظوم کیا ہے:

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے
ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا
جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

میر انیسؔ نے اپنی رُباعیوں میں پیری اور ضعیفی کے فلسفے کو بھی منظوم کیا ہے۔ ان کی اس نوع کی رُباعیاں سوز و گداز اور درد و اثر کی کیفیت سے پُر ہیں۔ پیری میں عذار یعنی رخسار بے نور ہو جاتے ہیں۔ بال سفید ہو جاتے ہیں۔ قریب رہنے والے یار دوست دور ہو جاتے ہیں۔ اس لیے آدمی کو اپنی موت کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے۔ ان باتوں

کو میر انیسؔ نے اپنی درج ذیل رُباعی میں اس طرح بیان کیا ہے:

پیری آئی عذار بے نور ہوئے
یاران شباب پاس سے دور ہوئے
لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیس
جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

میر انیسؔ کی اس قسم کی رُباعیاں فلسفیانہ رُباعیاں کہلاتی ہیں جو نہ صرف عوام میں مقبول ہوئیں بلکہ دوسرے شعرا نے بھی اس انداز کی رُباعیاں کہنے میں میر انیسؔ کا اثر قبول کیا۔ اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سلام سندیلوی نے لکھا ہے:

''میر انیسؔ کی فلسفیانہ رُباعیات کا اثر بھی بعد کے شعرا کے یہاں ملتا ہے۔ خصوصاً ان کی پیری کی رُباعیاں کافی مقبول ہوئیں۔ پیارے صاحب رشیدؔ کی پیری کی رُباعیاں اپنی تخلیق کے لیے انیسؔ کی رہین منت ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں میر انیسؔ کا رنگ صاف جھلکتا ہے۔ پیارے صاحب نے بھی انیسؔ ہی کی طرح موئے سفید، خمیدہ کمر اور نقاہت جسم وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ دراصل پیارے صاحب رشیدؔ کا خاص موضوع پیری ہے اور وہ اس مخصوص میدان میں میر انیسؔ سے بھی آگے نکل گئے ہیں مگر اپنی جولانی میں وہ انیسؔ کے راستے کو نہیں بھولے ہیں۔''

(ڈاکٹر سلام سندیلوی، اُردو رُباعیات، ص: ۳۷۹)

ذاتی رُباعیاں:

میر انیسؔ کی رُباعیوں میں کچھ ایسی رُباعیاں بھی ہیں جن میں ان کے شخصی احوال و کوائف بیان ہوئے ہیں۔ ان رُباعیات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے تعلقات کن رؤسا، امرا اور شاہانِ وقت سے تھے۔ کچھ رُباعیوں میں انھوں نے ۱۸۵۷ء کے واقعات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ میر انیسؔ نے کچھ ایسی رُباعیاں بھی کہی ہیں جن میں فخر و مباہات کا مضمون ملتا ہے مگر ان کے فخر و تعلّی میں بھی عجز و انکساری کا پہلو شامل ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری اور قادر الکلامی پر اس انداز سے فخر و تعلّی کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی شاعری اپنے زور بازو کی دین نہیں بلکہ وہ خالق کائنات کا عطیہ ہے۔ میر انیسؔ نے اپنی بعض رُباعیوں میں اس بات کا بھی اظہار کیا ہے کہ ان کے کلام میں جو حسن و جمال اور سوز و گداز ہے، وہ کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ اہلِ بیت کی مدح کی وجہ سے

ہے۔ بہ طور مثال ان کی ایک فخریہ رُباعی ملاحظہ ہو:

بے جا نہیں مدح شہ میں غرا میرا
بھرتی سے کلام ہے معریٰ میرا
مرغان خوش الحان چمن بولیں کیا
مرجاتے ہیں سن کے روزمرہ میرا

میر انیسؔ نے اپنی ایک رُباعی میں سلطنت اودھ کی بقااوراس کے تحفظ کے لیے دعا بھی کی ہے۔ رُباعی ملاحظہ ہو:

کیوں کر دل غم زدہ نہ فریاد کرے
جب ملک کو چرخ پیر برباد کرے
مانگو یہ دعا کہ پھر خداوند کریم
اجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

میر انیسؔ کی ایک فخریہ رُباعی ملاحظہ ہو جس میں انھوں نے اپنی آواز اور اپنے کلام کی خوبیوں کا سہرا نبیؐ کی مدح کے سر باندھا ہے:

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے
باعث مدح امام نامی کا ہے
میں کیا، آواز کیسی، پڑھنا کیسا
آقا یہ شرف تیری غلامی کا ہے

میر انیسؔ کی رُباعی نگاری کے جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے عہد کے بڑے اہم اور مقبول رُباعی گوشاعر تھے۔ ان کی رُباعیوں میں موضوعاتی اعتبار سے تنوع بھی ہے اور ان کا لہجہ انتہائی منفرد اور مؤثر بھی ہے۔ ان کے آہنگ اور لہجے نے اپنے پورے عہد کو متاثر کیا ہے۔ اُردو رُباعی نگاری میں ان کی عظمت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سلام سندیلوی نے لکھا ہے:

''میر انیسؔ کے ایک بڑے رُباعی گوشاعر ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ اگر میر انیسؔ مرثیہ نہ کہتے تو ان کی رُباعیات ہی اس قدر بلند مرتبت تھیں جو ان کی حیات ابدی کی ضامن بنتیں۔ دراصل میر انیسؔ دور متوسط کے سب سے بڑے اُردو رُباعی گوشاعر ہیں۔ ان کی شیریں، پُر درد اور بلند آواز صدیوں تک اُردو رُباعی کی فضا میں گونجتی رہے گی۔''

(ڈاکٹر سلام سندیلوی، اُردو رُباعیات، ص: ۳۷۹)

29.3.3 ماحصل

میر انیسؔ اپنے عہد کے انتہائی اہم اور مقبول رُباعی گو شاعر ہیں۔ وہ اُردو رُباعی نگاری میں اس اعتبار سے عظمت و اہمیت کے حامل ہیں کہ انھوں نے سادہ و سلیس اور عام فہم انداز میں اپنی رُباعیوں میں جو باتیں کہی ہیں، وہ از دل خیزد بر دل ریزد کے مصداق قاری کے دل میں اُتر جاتی ہیں۔ ان کی رُباعیوں میں موضوعات کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ ان کی رُباعیوں میں وہ تمام موضوعات پائے جاتے ہیں جو رُباعی کے لیے جزولاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی انھوں نے اپنی رُباعیوں میں ان تمام موضوعات کو برتا ہے جو فارسی شعرا نے اختیار کیے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رُباعیاں فارسی کے رُباعی گو شعرا شیخ عطار، مولانا روم اور سرمد کی رُباعیوں کے بالمقابل رکھی جاسکتی ہیں۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی نے موضوعاتی اعتبار سے ان کی رُباعیوں کی تقسیم اس طرح کی ہے:

۱۔ مذہبی رباعیات: جس میں حمد، مغفرت، نعت، منقبت، عقائد اور رثائی رُباعیاں آتی ہیں۔

۲۔ اخلاقی رُباعیاں

۳۔ فلسفیانہ رُباعیاں

۴۔ سماجی رُباعیاں

۵۔ ذاتی رُباعیاں

میر انیسؔ اُردو رُباعی نگاری میں اس اعتبار سے منفرد اور ممتاز ہیں کہ انھوں نے اُردو رُباعی میں ایک نئے موضوع یعنی رثائی رُباعیوں کا اضافہ کیا ہے۔ میر انیسؔ کا امتیاز یہ بھی ہے کہ انھوں نے بڑی تعداد میں انتہائی کام یاب اور مقبول رُباعیاں کہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دور متوسط کے سب سے بڑے رُباعی گو شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں اور اُردو رُباعی نگاری میں ان کی شہرت و مقبولیت بلندی کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ اُردو رُباعی نگاری میں میر انیسؔ کا امتیاز یہ بھی ہے کہ ان کے منفرد لہجے اور آہنگ کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ان کے ہم عصروں بالخصوص ان کے ہم عصر مرزا دبیرؔ نے رُباعی نگاری میں ان کا گہرا اثر قبول کیا۔ اُردو رُباعی نگاری میں میر انیسؔ کے آہنگ اور لہجے کو اس قدر اعتبار و وقار حاصل ہوا کہ دوسرے رُباعی گو شعرا اسی لہجے کی پیروی کرنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ میر انیسؔ کے لہجے کی چھاپ ان کے عہد کے رُباعی گو شعرا کے یہاں واضح طور پر نظر آتی ہے۔

29.4 آپ نے کیا سیکھا؟

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے:

- رُباعی کے فن اور اس کی روایت سے واقفیت حاصل کی۔

- میر انیسؔ کی رُباعی نگاری سے بحث کی۔
- میر انیسؔ کے یہاں رُباعیوں کی مختلف اقسام کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔
- میر انیسؔ کی رُباعی نگاری کی فنی خصوصیات و امتیازات سے واقفیت حاصل کی۔
- اُردو رُباعی نگاری میں میر انیسؔ کے مقام و مرتبے کو سمجھا۔

29.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ اُردو میں رُباعی نگاری کی روایت پر مختصراً اظہارِ خیال کیجیے۔

۲۔ میر انیسؔ کی رُباعی نگاری کے امتیازات کو اختصار کے ساتھ بیان کیجیے۔

۳۔ اُردو رُباعی گو شعرا پر میر انیسؔ کی رُباعی نگاری کے اثرات سے بحث کیجیے۔

۴۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی نے موضوعاتی اعتبار سے میر انیسؔ کی رُباعیوں کی تقسیم کس طرح کی ہے؟

۵۔ میر انیسؔ کی اخلاقی رُباعیوں کے متعلق اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

29.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ اُردو زبان میں دوسری شعری اصناف کی طرح رُباعی بھی فارسی زبان سے آئی۔ اس کے اولین نمونے اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ کے یہاں ملتے ہیں اور وہی اُردو زبان میں رُباعی کے پہلے شاعر مانے جاتے ہیں۔ ان کے کلیات میں ہر قسم کے مضامین پر مشتمل متعدد رُباعیاں ملتی ہیں۔ ان کے بعد سراجؔ اورنگ آبادی اور ولیؔ دکنی کے شعری سرمایے میں بھی رُباعیاں نظر آتی ہیں۔ دکن کے ان شعرا کے علاوہ شمالی ہند کے تقریباً ہر بڑے شاعر نے رُباعی کی صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ دبستانِ دہلی کے شعرا میں میر تقی میرؔ، میر دردؔ اور مرزا محمد رفیع سوداؔ وغیرہ کے یہاں بڑی تعداد میں رُباعیاں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح دبستانِ لکھنؤ کے شعرا میں آتشؔ، ناسخؔ، انشاؔ اور جرأتؔ کے یہاں بھی رُباعی پر مشتمل وقیع شعری سرمایہ موجود ہے۔ ان شعرا کے بعد غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ اور بہادر شاہ ظفرؔ نے بھی دل چسپ رُباعیاں کہی ہیں۔ یہی دور میر انیسؔ کا ہے۔ میر انیسؔ نے اپنی فنی مہارت سے اُردو رُباعی کو اس قدر بلندی پر پہنچایا کہ ان کے ہم عصر شعرا نے بھی رُباعی نگاری میں ان کا اثر قبول کیا اور ان کی پیروی کی۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ وغیرہ کے بعد شیفتہؔ، مولانا حالیؔ، اکبرؔ الہ آبادی، اسماعیلؔ میرٹھی، شادؔ عظیم آبادی، جوشؔ ملیح آبادی، فانیؔ، سیمابؔ اکبر آبادی اور فراقؔ گورکھ پوری نے بھی رُباعی نگاری میں خصوصی دل چسپی لی اور عمدہ رُباعیاں کہہ کر اُردو رُباعی نگاری کی روایت میں قابلِ قدر اضافہ کیا۔ ان شعرا کے علاوہ دیگر

شعرانے بھی رُباعیاں کہیں۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ رُباعی ایک ایسی صنف ہے جس کی طرف بیش تر شعرانے توجہ دی۔ آج کے دور میں بھی شعرا رُباعیاں کہہ رہے ہیں اور اس کا سفر جاری ہے۔

۲۔ میر انیسؔ نے انتہائی کام یاب اور مقبول رُباعیاں کہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دور متوسط کے سب سے بڑے رُباعی گو شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں اور رُباعی نگاری میں ان کی شہرت و مقبولیت بلندی کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ انھوں نے سادہ و سلیس اور عام فہم انداز میں اپنی رُباعیوں میں جو باتیں کہی ہیں، وہ از دل خیزد بر دل ریزد کے مصداق قاری کے دل میں اُتر جاتی ہیں۔ اُردو رُباعی نگاری میں میر انیسؔ کا امتیاز یہ ہے کہ ان کی رُباعیوں میں وہ تمام موضوعات پائے جاتے ہیں جو رُباعی کے لیے جز ولاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی انھوں نے اپنی رُباعیوں میں ان تمام موضوعات کو برتا ہے جو فارسی شعرانے اختیار کیے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رُباعیاں فارسی کے رُباعی گو شعرا شیخ عطار، مولانا روم اور سرمد کی رُباعیوں کے بالمقابل رکھی جاسکتی ہیں۔ میر انیسؔ اُردو رُباعی نگاری میں اس اعتبار سے بھی منفرد اور ممتاز ہیں کہ انھوں نے اُردو رُباعی میں ایک نئے موضوع یعنی رثائی رُباعیوں کا اضافہ کیا ہے۔ میر انیسؔ نے بڑی تعداد میں رُباعیاں کہی ہیں۔ ان کی رُباعیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ دوسرے شعرا کی رُباعیاں ان کے مقابلے میں بہت کم معلوم ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو رُباعی نگاری میں ان کا مرتبہ بہت بلند نظر آتا ہے۔

۳۔ اُردو رُباعی نگاری میں میر انیسؔ کے منفرد لہجے اور آہنگ کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ان کے ہم عصروں بالخصوص ان کے ہم عصر مرزا دبیرؔ نے رُباعی نگاری میں ان کا گہرا اثر قبول کیا۔ اُردو رُباعی نگاری میں میر انیسؔ کے آہنگ اور لہجے کو اس قدر اعتبار و وقار حاصل ہوا کہ دوسرے رُباعی گو شعرا اسی لہجے کی پیروی کرنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ میر انیسؔ کے لہجے کی چھاپ ان کے عہد کے رُباعی گو شعرا کے یہاں واضح طور پر نظر آتی ہے۔

۴۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی نے موضوعاتی اعتبار سے میر انیسؔ کی رُباعیوں کی تقسیم اس طرح کی ہے:

۱۔ مذہبی رُباعیات: جس میں حمد، مغفرت، نعت، منقبت، عقائد اور رثائی رُباعیاں آتی ہیں۔

۲۔ اخلاقی رُباعیاں

۳۔ فلسفیانہ رُباعیاں

۴۔ سماجی رُباعیاں

۵۔ ذاتی رُباعیاں

۵۔ میر انیسؔ ایک اعلیٰ خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ انھوں نے شرفا اور اہلِ کمال کے درمیان پرورش

پائی۔ فیض آباد سے جب لکھنؤ آئے تو یہاں بھی اچھا ماحول ملا۔ ایسے اچھے ماحول کے نتیجے میں خود داری، عظمت وشرافت، عاجزی وانکساری اور بلند ہمتی کے عناصر ان کے ذہن ودماغ میں رچ بس گئے تھے اور یہ تمام عناصر ان کی رُباعیوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ میر انیسؔ نے جو اخلاقی رُباعیاں کہی ہیں، وہ ان کی بلند مرتبت شخصیت کا عکس اور پرتو ہیں۔ ان کی اخلاقی رُباعیوں میں ان کی بلند مرتبت شخصیت کے عناصر جلوہ گر نظر آتے ہیں جن سے ہمیں اخلاق وکردار کی اصلاح کرنے، غیرت وخودداری کی راہ پر چلنے اور زندگی کے ہر موڑ پر فروتنی اور انکساری سے کام لینے کی تلقین ملتی ہے۔ بقول ڈاکٹر سلام سندیلوی ''میر انیسؔ کی اخلاقی رُباعیاں ہماری زندگی کے لیے دستور العمل کا کام کرتی ہیں''۔ میر انیسؔ نے اپنی ایک رُباعی میں خودداری کی تلقین کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمیشہ اپنی عزتِ نفس کا خیال رکھنا چاہیے اور یہ پاؤں جب بھی چلیں تو راہِ مولا میں چلیں اور یہ ہاتھ جب بھی اٹھیں تو کسی اور کے سامنے نہیں بلکہ صرف خدا کے آگے اٹھیں۔ رُباعی ملاحظہ ہو:

عزت رہے یارو آشنا کے آگے
محجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہِ مولا میں چلیں
یہ ہاتھ جب اٹھیں تو خدا کے آگے

29.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معانی)
عارفانہ	:	صوفیانہ، خداشناسی سے متعلق
جزولاینفک	:	وہ حصہ جو علاحدہ نہ ہو سکے
تتبع	:	تقلید، پیروی، نقل
صبا	:	وہ پُروا ہوا جو آخری رات کو چلتی ہے، نسیمِ سحری، لطیف وخوش گوار ہوا
مستور	:	چھُپا ہوا
بُعد	:	دُوری
خلّاق	:	پیدا کرنے والا
ستّار	:	چھپانے والا، ڈھانپنے والا
رزّاق	:	روزی دینے والا، رزق دینے والا

عصیاں	:	گناہ
دَرکار	:	ضروری، مطلوب
غفّار	:	بڑا بخشنے والا
گُہر	:	موتی، جوہر، قیمتی پتھر
قُلزم	:	نہایت گہرا سمندر
سرآمد	:	برتر، حاکم، سردار
زَوّار	:	زیارت کرنے والا
محجوب	:	پوشیدہ، مخفی
فِروتنی	:	عاجزی وانکساری
تہی مغز	:	احمق، بے وقوف
پُرساں	:	پوچھنے والا، مددگار
حَباب	:	پانی کا بُلبُلہ
عُقدہ	:	راز، بھید، مشکل بات
آغوشِ لحد	:	قبر کی گود
مآل	:	انجام، خاتمہ
عِذار	:	رخسار، گال
کافور	:	دُور، غائب، سفید
ہنگام	:	وقت، زمانہ، موقع
غرّا	:	فخر، تنک مزاج
مُعرّیٰ	:	خالی
مرغانِ خوش الحان	:	اچھی اور سُریلی آواز والے پرندے، مراد بلبل

29.8 کتب برائے مطالعہ

ا۔ اُردو رُباعیات : ڈاکٹر سلام سندیلوی

۲۔ اصناف سخن اور شعری ہیئتیں : شمیم احمد

۳۔ رُباعیات انیسؔ (مرتبہ) : محمد حسن بلگرامی

۴۔ انیسؔ: شخصیت اور فن : ڈاکٹر فضل امام رضوی

۵۔ جائزہ انیسؔ : ڈاکٹر عسکری صفدر

۶۔ اُردو رُباعی (فنی و تاریخی ارتقا) : ڈاکٹر فرمان فتح پوری

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY